قمروش شہک

بانہوں کے حصار میں

"بیٹا!! ابھی سائیں صرف تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" رحمت اس کے ڈر کو سمجھتی تھی کہ وہ اگر خوف زدہ ہے تو اس کی بھی وجہ ہے۔ اس نے سالار شاہ کے ظلم برداشت کیے ہیں۔ وہ سالار شاہ جو غرور اور ظلم کا دوسرا نام تھا۔ وہ سالار شاہ جس نے فرعونیت اور بربریت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ مگر کل کے اور آج کے سالار شاہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ کوئی اور کہتا کہ سالار شاہ بدل چکا ہے۔ اس کا غرور گھمنڈ سب مٹی میں مل چکا ہے تو وہ کبھی یقین نہیں کرتی

کیونکہ رحمت جانتی تھی کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے تو نکل سکتا ہے مگر سالار شاہ کبھی نہیں بدل سکتا۔ مگر یہ سوچ غلط ثابت ہوئی۔

سالار شاہ اب وہ نہیں رہا تھا اور جب رحمت نے سالار شاہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے کانوں سے سنا تو یقین بھی آ گیا اور یہی بات کب سے اریش کو رحمت اور اشراح سمجھا رہی تھیں مگر وہ کسی صورت ماننے کو راضی نہیں تھی۔ اس کا خوف اس کی آنکھوں اور چہرے سے ہی نہیں اس کے ہر ہر عضو سے ٹپک رہا تھا۔ وہ آج بھی اپنی ذات کے خول میں قید تھی۔

"رحمت بوا!" بھیگی آنکھیں کانپتے لبوں سے ایک ہی التجا، ایک ہی فریاد۔ رحمت کو اس پر ترس ہی نہیں بہت پیار بھی آیا۔ اس نے اریش کو اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔

آخری قسط

"ارش! میں نے سالار بھائی کی آنکھوں میں تمہارے لیے پیار دیکھا ہے۔ چاہت دیکھی ہے۔" انشراح اس کے دوسرے سائیڈ آکر بیٹھ گئی۔

"میں ان سب کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ بس میں ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ مجھے...... مجھے...... ان کے سامنے سے بھی ڈر لگتا ہے۔ ان کی آہٹ سے میرا دل بند ہو جائے گا۔" اس کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

"ارش! تھوڑی سی ہمت کرو اور سنبھالو خود کو۔ سالار بھائی تم سے اور گڑیا سے ملنے آئے ہیں۔ بلکہ وہ تو......" انشراح بے قراری سے مزید آگے کو کھسکی اور ارش کے لرزتے کپکپاتے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"گڑیا!" ارش نے چونک کر رحمت کے سینے سے سر اٹھا کے انشراح کو دیکھا۔

"ہاں!" ارش نے انشراح کا ہاتھ تھام لیا۔ "ان کو بولو وہ گڑیا کو لے جائیں۔"

"مگر مجھے اپنی گڑیا کے ساتھ ساتھ اس کی ماں بھی چاہیے۔"

اچانک ہی بھاری اور گمبھیر آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی اور بھلا اس آواز کو ارش کیسے نہیں پہچانتی اس آواز نے تو اسے خوابوں خیالوں میں بھی خوف زدہ رکھا تھا۔ ہر ہر قدم وہ یوں سوچ کے رکھتی کہ اب اس کی نئی آزمائش، نئی سزا شروع ہونے والی ہے۔ ارش نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں دروازے پر ہی وہ روح کو فنا کرنے والا انسان ایستادہ تھا۔ اس کو دیکھتے ہی ارش کی آنکھوں اور چہرے پر وحشت سی بڑھنے لگی۔ اس کے جسم پر ہی نہیں اس کی روح پر بھی لرزہ طاری ہونے لگا۔ اس کی سانسوں کی رفتار تھمنے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں رکنے لگیں۔

انشراح نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو پریشان ہو گئی بلکہ ڈر گئی کہ اس کو کچھ ہو نہ جائے۔ انشراح نے سہمی سہمی نظروں سے سالار شاہ کو دیکھا...... سالار شاہ نے اشارے سے انشراح کو کہا کہ اس کی گود سے گڑیا کو لے کر خود باہر چلی جائے روم سے وہ آج خود بات کرے گا۔ ایک ہفتہ ہو گیا تھا اس سے ڈرتے جھجکتے مگر اب وہ ارش کا ڈر خود اس کے سامنے آکر نکالے گا۔

انشراح نے ایک بار پھر ارش کو دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھی۔ سالار شاہ سے گلابی بستر میں سوتی گڑیا کو لیا اور روم سے باہر نکل گئی۔

سالار شاہ نے اب رحمت کو دیکھا۔ رحمت اس کی آنکھوں کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتی ارش نے تیزی سے رحمت کا ہاتھ تھاما اور بیڈ سے کھڑی ہو گئی۔

"نہیں رحمت بوا تم مجھے چھوڑ کے مت جاؤ۔" سرگوشی میں کی گئی زاری بھی آواز سالار شاہ کی سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکی تھی۔

"سائیں کا حکم ہے ارش بیٹی!" رحمت نے آہستگی سے اس کو سمجھانا چاہا مگر وہ بس روتے ہوئے نفی میں ادھر ادھر گردن ہلا رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں بس یہی تھا کہ سالار شاہ اس کے لیے کوئی نئی سزا چن کے لایا ہے۔

بالآخر سالار شاہ کو ہی آگے بڑھنا پڑا۔ رحمت کا بھی ارش کے ساتھ ساتھ حلق خشک ہونے لگا تھا۔ جیسے جیسے وہ قریب آنے لگا ارش کی آنکھوں میں کپکپاہٹ سی بڑھنے لگی تھی۔ اس کی انگلیوں کی گرفت رحمت کے بازو پر مزید سخت ہونے لگی تھی۔ سیاہ نینوں پر پہرا دیتی وہ سیاہ گھنیری پلکوں کی باڑ رخسار پر سجدہ ریز لرز رہی تھی۔ سالار شاہ اس کی سوچوں کو پڑھتا اس کے مقابل آٹھہرا۔

وہ گرے کانچ اس معصوم چہرے سے ہوتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں پر جا ٹھہرے جن کی قید میں رحمت کا

بازو تھا۔

"رحمت کا بازو چھوڑو ارش۔" اس حکم میں جو سختی تھی وہ ارش کو اپنے دل پر محسوس ہوئی تھی۔ رحمت کی بھی سانسیں تھمنے لگی تھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو سالار شاہ کو غصہ آ جائے اور پھر وہ......

رحمت کے پورے جسم میں چیونٹیاں سی رینگ گئی تھیں۔ اس نے کوشش کر کے آہستگی سے ارش کے ہاتھوں سے اپنا بازو چھڑایا اور تیزی سے کھسکتی چلی گئی۔ ارش بھی اس کے پیچھے جانے لگی تھی کہ سامنے سالار شاہ کا پہاڑ جیسا وجود حائل ہو گیا۔

پیازی کلر کے کلف لگے کاٹن کے سوٹ میں دونوں ہاتھوں کو پشت پر باندھے وہ ایک انچ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ پنک اینڈ پنک امتزاج کے سوٹ میں وہ پوری جان سے کپکپا رہی تھی جیسے ابھی زمین بوس ہو جائے گی۔ سالار شاہ کے سامنے آتے ہی ارش نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ سالار شاہ نے بغور اس کی کانپتی لرزتی انگلیاں دیکھی تھیں بلکہ جس طرح اس کا پورا وجود ہلکے ہلکے ہچکیوں کی زد میں کانپ رہا تھا سالار شاہ کو محسوس ہوا کوئی نقصان نہ ہو جائے اور سالار شاہ اب مزید کوئی نقصان نہیں اٹھا سکتا تھا۔ وہ مزید اس نازک سے وجود کے قریب ہوا اور اپنی دونوں مضبوط آہنی بانہوں کا حصار اس کے اردگرد کھینچ دیا اور کتنے ہی لمحوں تک اس کو اپنے ہونے کا احساس دلایا تھا۔

"ادھر بیٹھو۔" ارش اس کی نرم سی گرمائش پا کر بھی مطمئن اور پرسکون نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اندر کا ڈر اور خوف ختم نہیں ہو پا رہا تھا۔

سالار شاہ نے اس کو بیڈ پر بٹھایا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی چوڑی ہتھیلیوں میں قید کر کے ہلکے ہلکے سہلانے لگا جس سے ارش کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسناتی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ برف کی طرح ٹھنڈی پڑنے لگی ہو۔ یہاں تک اس کو ہلکی ہلکی سی سردی بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ یہ سارے احساسات سالار شاہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے۔ سالار شاہ کو اپنے بیتے گزرے دنوں پر پچھتاوا ہونے لگا تھا۔ شرمندگی ہونے لگی تھی۔ اس کے غرور اور تکبر کی وجہ سے ایک نازک سی لڑکی اپنی ذات کے خول میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنا اپنا اعتماد کھو دیا تھا۔ اپنے جذبات و احساسات کو جیتے مرتے دیکھا تھا۔ سامنے بیٹھا یہ نازک وجود اندر سے کسی لاش کی مانند ہے اور اس کو اس حال تک پہنچانے والا بھی تو وہ خود تھا۔

سالار شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس کا پیالہ بنا کر اس کے چہرے پر دھر دیا۔ آہستگی سے اس کا چہرہ اوپر کو اٹھایا۔ کتنی مشکل سے وہ سیاہ گھنیری پلکیں اوپر کو اٹھی تھیں۔

آج ان گرے کانچ کا انداز بدلا تھا۔ آج احساس کچھ الگ ہی سے تھے۔ آج ان میں پیار کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ اس کل کائنات کا پیار تھا جو وہ ارش کو دینا چاہتا تھا۔ اپنی بانہوں کے حصار میں قید کر کے اس کو لے بہت دور ایک ایسے جہاں میں لے جانا چاہتا تھا جہاں وہ اس کو اپنے پیار کا یقین دلا سکے۔ اپنا پیار نچھاور کر سکے۔

مگر ان سیاہ نینوں میں شرم کے، کوئی حیا کے رنگ نہیں تھے۔ سالار شاہ کے اس طرح چاہت لٹاتی نظروں سے دیکھنے پر وہ شرم سے نہیں بلکہ خوف سے سمٹنے لگی تھی۔ وہ بھی کبھی خوفزدہ نگاہیں بار بار پلکیں جھپک کر سالار شاہ سے آزادی چاہتی تھیں۔ ان پیار لٹاتی نگاہوں سے چھپ جانا چاہتی تھیں۔

ارش پر اس وقت جو مشکل گھڑی تھی وہ سالار شاہ کی نرماہٹ کو محسوس ہی نہیں کر پا رہی تھی اور کرتی بھی کیسے اس

نے بھی ایسا کوئی لمحہ اس کی جھولی میں ڈالا ہی کب تھا۔ کب کسی خوب صورت لمحے کی گرفت میں اس کو قید کیا تھا۔ کب اپنی نرم وگرم باہنوں کے گھیرے میں اس کو لے خوابوں کے جہاں میں دور تک گیا تھا۔ کب اس کے دامن سے کوئی پرشوخ یا شریر سا جملہ باندھا تھا۔ کب اپنی نگاہوں کی گرمی سے اس کو کسمسانے یا لجانے پر مجبور کیا تھا اور کب ایسی بے ساختہ بھری جسارتیں کی تھیں کہ شرم سے اس کی رنگت گلنار پڑنے لگتی۔

اس وقت تو اربش ان گرم نگاہوں سے خوف کے مارے بھی جا رہی تھی خود میں سمٹی جا رہی تھی۔ مگر سالار شاہ مزید اس کے خوف وڈر کا امتحان نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ اس کا یہ ڈر یہ خوف نکالنا چاہتا تھا۔

"اربش!" دھیمے سے مگر چاہت سے پکارا تھا۔ اربش بس سمندر بھری نگاہوں سے اس کے پکارنے پر دیکھ کر رہ گئی۔ سالار شاہ کا یہ انداز، یہ لمس، یہ قربت، اربش کی جان ہی تو نکال رہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے اب یہ دونوں ہاتھ جو اس کے چہرے پر دھرے ہوئے ہیں وہ آہستہ آہستہ سے گردن پر جا رکیں گے۔

"کب تک خوف زدہ رہو گی مجھ سے۔ میں جانتا ہوں غلطی تھی اور فرقوں کے بھینٹ تم کو چڑھا دیا ہے میں نے اور اب تم وہی دیکھتی ہو جو میں نے تم کو کل دیا جس میں سوائے اذیت اور درد کے کچھ نہیں تھا۔ مگر اس آج میں، میں اپنے بیتے کل کا مداوا چاہتا ہوں۔ تم کو اتنا پیار اتنی چاہت دینا چاہتا ہوں کہ ان اذیتوں اور تکلیفوں کا ہر لمحہ بھول جاؤ۔"

سالار شاہ نے اپنی دائیں ہتھیلی کی پشت ہلکے سے اس کے خنک سے زرد رخسار پر پھیری تھی اور پھر بس اربش کی سکرین پر اندھیرا اپنا گھر بنانے لگا۔ آنکھوں کی پتلیوں پر دھند چھانے لگی۔ حواس کھونے لگے اور پھر وہ اس کی مضبوط بازوؤں میں جھولتی چلی گئی۔

☆---☆

علی شاہ کچھ ہی گھنٹے کی ڈرائیو پر "آغا ولا" میں موجود تھا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا، بے صبری سے ٹہلتا سمبریز خان جیسے کسی چیل کی مانند اس پر جھپٹا تھا۔ پہلے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا اور پھر اس کو گریبان سے پکڑ کے بری طرح جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ علی شاہ کہاں اس افتاد کے لیے تیار تھا۔ گھبرا کے ہی تو رہ گیا تھا۔ سمبریز خان کا جاہ و جلال اس کا یہ جارحانہ سلوک یہ غصہ...... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"بول کیوں کیا تو نے ایسا...... آخر کیا دشمنی تھی تیری میرے بھائی سے۔ کیوں اس کو مارا تو نے۔" سمبریز خان نے ایک زوردار تھپڑ ایک بار پھر اس کے منہ پر رسید کیا۔ گریبان اس کا ابھی بھی سمبریز خان کے ہاتھوں میں تھا۔

"سمبریز لالہ...... چھوڑیں۔" دائم خان آگے بڑھا اور علی شاہ کو چھڑانے کی کوشش کی اور وہ کامیاب بھی ہو گیا۔ علی شاہ لڑکھڑاتے قدموں سے پیچھے ہٹا۔

"چھوڑو مجھے دائم! میں اس رذیل انسان کو جان سے ماروں گا۔" سمبریز خان، دائم خان کے بازوؤں میں مچل اٹھا تھا۔ پوری جان سے وہ دائم خان کی گرفت توڑنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ناکام ثابت ہوا۔

"سزا تو اس کو ملے گی لالہ ایسے نہیں۔ قانون دے گا اس کو سزا۔" انگارے علی شاہ پر اچھالتے ہوئے نہایت تیز مگر غصے بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

علی شاہ کچھ معنوں میں الجھ کر رہ گیا تھا اور نظر دوسری سمت گئی جہاں صوفے پر بازغہ بری طرح رو رہی تھی۔ اس کے ساتھ انا بیٹھی اس کو چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب کہ صوفے کے پیچھے کشمالہ نگاہیں اور سر کو جھکائے کسی مجرم کی طرح کھڑی تھی جیسے اس سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

ایک لمحے کو علی شاہ بکھر کے رہ گیا تھا۔ اب جو کچھ اس کی سمجھ میں آیا وہ اس کی سوچ سے بالاتر تھا۔

"نہیں دائم اس بے رحم آدمی کو قانون نہیں میں سزا دوں گا۔ تبھی مجھے سکون ملے گا۔" سمبریز خان آپے سے باہر ہو رہا تھا اور وہ اس قدر غصے میں تھا کہ شاید علی شاہ کو مار ہی دے گا۔ تبھی تو دائم خان نے اس پر اپنے بازوؤں کی گرفت مضبوط کر لی تھی۔

"آخر میں نے کیا کیا ہے؟" علی شاہ نے روتی ہوئی بازغہ کو دیکھنے کے بعد دائم خان کے بازوؤں میں جکڑے سمبریز خان کو دیکھا۔

"یہ تو مجھ سے پوچھ رہا ہے بے غیرت...... تجھے کیا لگا تو گناہ کرے گا، میرے تمریز کو مار دے گا اور تیرا یہ گناہ چھپ جائے گا...... تو یہ تیری بھول تھی۔" آنکھوں سے گویا چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جس میں اگر سمبریز خان کا بس چلتا تو علی شاہ کو بھسم کر دیتا۔

"واٹ؟" اب وہ کچھ سے کچھ سمجھا بھی تھا اور چونک بھی گیا تھا۔ یہ وہ اس پر کیسا الزام لگا رہے ہیں۔ سمبریز خان کا بپھرنا، دائم خان کا سرد اور کاٹ دار لب ولہجہ انداز، بازغہ کا یوں تڑپ تڑپ کے رونا اور کشمالہ کا یوں شرمندہ ندامت میں گھرے رہنا۔ سب کچھ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

مگر اس الزام اور ان لوگوں کی ایسی سوچ پر وہ صرف افسوس کر کے ہی رہ گیا اور سب سے بڑا دھچکا جو اس کو لگا تھا وہ بازغہ کے یوں رونے پر تھا جس کا مطلب اس کو یقین تھا کہ وہ ایسا کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی نفرت شدید نفرت علی شاہ نے اس کی ادا سمجھ کر بھی، اس کی بے رخی اس کی بے اعتنائی اس کے نظر انداز کی مگر اس الزام کو جو اس نے کیا وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اتنا گھٹیا اور گرا ہوا انسان سمجھا تھا اس کو بازغہ نے۔

"دو جواب علی شاہ! کیوں کیا تم نے ایسا۔" دائم خان کا لہجہ ہی نہیں اس کا انداز بھی نہایت سرد سا تھا۔

علی شاہ نے اپنے الجھے بکھرے ذہن کو بہت مشکل سے سنبھالا تھا۔ وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ ان لوگوں نے اس پر ایسا گھٹیا الزام کیوں لگایا ہے مگر اس الزام نے اس کو اندر سے توڑ ضرور دیا تھا۔ اس کو خود اپنی نظروں میں گرا دیا تھا۔

"مجھے افسوس ہو رہا ہے آپ لوگوں کی سوچ پر۔"

"اچھا تو پھر یہ کیا ہے۔ اس کے بارے میں کیا کہو گے۔" دائم خان نے اپنی چوڑی ہتھیلی آگے کی جس پر تمریز خان کا فون اور آ...... چین پیپر رکھا تھا۔

"تو ان چیزوں سے آپ لوگوں نے اخذ کر لیا کہ تمریز خان کو میں نے مارا ہے۔" ان سبز کانچ میں طنز کے سرخ ڈورے ہلکورے لینے لگے۔

"تو ان چیزوں کا تمہارے پاس ہونے کا کیا مقصد ہے۔" دائم خان کی سرد نگاہوں میں بھی طنز کے رنگ تھے۔

"ضروری نہیں ہے ہر چیز کا کوئی مقصد ہو۔ تمریز خان سے چند گھنٹوں کی اس ملاقات نے مجھے اس سے بہت قریب کر دیا تھا مگر مجھے آپ لوگوں نے میری نظروں میں ہی گرا دیا۔" علی شاہ نے دائم خان اور سمبریز خان کو دیکھا مگر ان سبز کانچ میں تاسف کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

"یہ ساری جذباتی باتیں اپنے پاس ہی رکھو، اصل حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے میرے بھائی کو مارا ہے اور اس کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔ میں تم کو پھانسی کے پھندے تک ہی پہنچا کے دم لوں گا۔"

سمبریز خان کی نگاہوں سے...... آگ نکل رہی تھی مگر علی شاہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بے

اور حق پر ہے۔

"ٹھیک ہے آپ اپنا یہ شوق اور خواہش بھی پوری کر کے دیکھ لیجیے مگر یہ بھی یاد رکھیے گا کہ آج جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا ہے وہ غلط کیا ہے۔"

"تم لوگوں کو صحیح غلط کی پہچان کب سے ہونے لگی۔ سب جانتا ہوں ایک تم اور دوسرا تمہارا بھائی سالار شاہ۔ جو خود کو بہت اونچی چیز سمجھتا ہے۔ جس نے ایک معصوم بے قصور لڑکی پر ظلم کر کے اپنی مردانگی دکھائی ہے۔" سبریز خان کے طنز اور استہزا میں اضافے نے علی شاہ کی رگوں میں جیسے چنگاریاں سی بھر دی تھیں۔

"بس سبریز بھائی!" علی شاہ نے تیزی سے ہاتھ اٹھا کے سبریز خان کو ٹوک دیا۔ "مجھے جو کہا میں نے نہ صرف سنا بلکہ برداشت بھی کیا مگر سالار لالہ کے لیے میں کچھ نہیں سنوں گا۔ ورنہ مجھ سے آپ کی شان میں کوئی بھی گستاخی ہو جائے گی جو کہ میں کبھی نہیں چاہوں گا۔" علی شاہ کے لہجے میں کچھ ایسی تپش تھی کہ سبریز خان جو سالار شاہ کے لیے بولنا چاہ رہا تھا خاموش ہو گیا۔

"اور رہا ان چیزوں کا سوال تو چاہے پولیس اسٹیشن اور انکوائری کرائیں اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں نے تبریز خان کو قتل کیا ہے تو اپنی تسلی کریں اور انویسٹی گیشن پوری کریں۔ اور آخری بات......" علی شاہ کچھ کہتے کہتے رکا۔ اور پھر روتی ہوئی بازغہ کو گہری نظروں سے دیکھا۔

"ایک قاتل کے ساتھ آپ کی بہن رہے یہ آپ لوگوں کو گوارہ نہیں ہوگا، اس لیے اپنی بہن کو اپنے پاس رکھیے۔" مضبوط لہجے میں بہت کچھ جتایا تھا۔ بازغہ نے اس کا مضبوط لہجہ ہی نوٹ کر کے بے ساختہ چہرہ اوپر اٹھا کے ان سبز نگاہوں میں دیکھا تھا۔ جانے ان سبز کانچ میں کیا تھا کہ اس کی بے ساختہ نگاہوں کو چپ سی لگ گئی۔

اس کا یہ مبہم انداز دائم کو بھی اور بھی سوچنے پر مجبور کر گیا۔

"کہیں ان لوگوں سے غلطی تو نہیں ہوئی۔"

"ہونہہ...... تجھے کیا لگتا ہے تجھ جیسے قاتل کے پاس میں اپنی بہن کو چھوڑوں گا۔" سبریز خان زہر لیے انداز میں پھنکارا تھا۔ جس پر علی شاہ نے خاموش مگر چبھتی نظروں سے سبریز خان کو دیکھا اور پھر وہاں رکا نہیں، اٹھتے قدموں مڑا اور تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا۔

"روکو اس کو دائم...... اس کو جانے مت دو اور پولیس کو بلاؤ۔" سبریز خان طیش میں اس کی طرف جانے لگا تھا مگر دائم خان نے ایک بار پھر اس کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔

سبریز خان اس وقت صرف تبریز خان کے بارے میں سوچ رہا تھا مگر دائم خان بازغہ کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ علی شاہ کے پر اعتماد اور مطمئن انداز نے دائم خان کی سوچوں کو بدل دیا تھا۔

"آپ ادھر آئیں میرے ساتھ۔" دائم خان، سبریز خان کی طرح جذباتی ہو کر نہیں سوچ رہا تھا۔ اس طرح شاید پچھتاوے ہی ہاتھ آتے۔ ہو سکتا ہے کوئی بہت بڑی غلطی بھی ہو جس نے ان لوگوں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہو اور اس سے پہلے کہ یہ شکنجہ اپنی گرفت مضبوط کرتا انہیں اس شکنجے کو توڑنا ہوگا۔

"دائم...... سبریز......" آغا اکبر خان کی فکر مند و پریشان زور کی آواز نے دائم خان اور سبریز خان کو متوجہ کیا۔ وہ اندر داخل ہو رہے تھے مگر ان کے چہرے پر پریشانی و فکر کے ساتھ ساتھ الجھے سوالات بھی تھے۔

"بابا جان!" سب سے پہلے بازغہ ہی روتی سسکتی ہوئی اماں بی کے پاس سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی آغا اکبر خان کے سینے سے لگی تھی۔

ادھر علی شاہ کا یوں غصے میں نکلنا، ادھر بازغہ کا اس طرح بلک بلک کر رونا، آغا اکبر خان گنگ صحیح معنوں میں چکرا کے رہ گئے تھے۔ دائم خان کو شدت سے آغا اکبر خان کی کیفیت کا احساس ہوا تو وہ آگے بڑھا۔

"دائم کیا ہوا ہے؟ علی اتنے غصے میں کیوں گیا ہے اور بازغہ...... میرے بچے اس طرح کیوں رو رہی ہو۔ بتاؤ مجھے ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔" انہوں نے بازغہ کو روتے دیکھا پھر دائم خان کو...... سبریز خان بھی پاس آیا اور دونوں چیزیں ان کے سامنے کر دیں۔

"یہ دیکھیں بابا جان۔"

"یہ کیا ہے؟"

"یہ ہے تبریز خان کا موبائل فون اور آکسیجن پمپ ہے اور یہ دونوں چیزیں علی شاہ کے پاس سے برآمد ہوئی ہیں جس کا مطلب کہ ہمارے تبریز کو علی شاہ نے مارا ہے۔ بابا جان میں علی شاہ کو چھوڑوں گا نہیں۔"

گرم خون کھولتا ہوا مزاج والا سبریز خان آج اس قدر بپھرا ہوا جاہ و جلال میں تھا۔ اتنا زیادہ جذباتی ہو رہا تھا کہ اس کو اندازہ ہی نہیں ہو رہا کہ آج تک جس نے آغا اکبر کے سامنے کبھی بھول کر بھی تیز آواز میں بھی بات نہ کی ہو اس کی آواز اتنی بے حد اونچی ہو گئی تھی۔

علی شاہ کا یوں غصہ میں جانا، بازغہ کا ہچکیوں سے رونا اب جو کچھ سمجھ میں آ گئی تھی اور سبریز خان نے اچانک علی شاہ سے بدکلامی اور بدتمیزی کی ہوگی۔ اتنا تو وہ وثوق سے کہہ سکتے تھے۔

"تم نے علی شاہ کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔" آغا اکبر خان کے چہرے اور آنکھوں میں خطرناک حد تک سنجیدگی تھی۔ دائم خان کا ماتھا ٹھنکا۔

"ابھی تو صرف ایک تھپڑ مارا ہے مگر وہ بزدل بھاگ گیا لیکن میں اس کو چھوڑوں گا نہیں، پھانسی کے پھندے......"

"خاموش...... بالکل چپ......" آغا اکبر خان نے دھاڑتے ہوئے سبریز خان کو تیز نظروں سے دیکھا۔ "مجھے تم سے ایسی کم عقلی اور بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔"

سبریز خان کے سارے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے مگر آغا اکبر خان کا یوں جلال اور طیش میں آنا بھی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"انکل یہ تبریز کی امانت جو آخری وقت میں میرے پاس ہی رہ گئی تھی۔" علی شاہ نے قبرستان میں ہی وہ موبائل فون اور آکسیجن پمپ آغا اکبر خان کی طرف بڑھایا۔

آغا اکبر خان نے وہ دونوں چیزیں بھیگی آنکھوں سے دیکھیں۔ چند ہی گھنٹوں میں وہ کتنے بوڑھے ہو گئے تھے۔ کیا کچھ نہیں تھا ان کے چہرے، ان کی بوڑھی نگاہوں میں۔ رنج، غم، ملال...... صدیوں کا دکھ درد...... اپنی سب سے قیمتی شے کھو جانے کا دکھ...... وہ بالکل ڈھل چکے تھے۔ ان کے شانے ڈھے گئے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ اپنی زندگی ہار گئے تھے۔

"بیٹا! جس کی یہ چیزیں تھیں وہ تو منوں مٹی تلے دفن ہو گیا۔ ابدی نیند جا سویا اور یہ غم میرے گھر والوں کے لیے بہت بڑا ہے، جس کا کوئی مداوا نہیں۔" چند موتی ٹوٹ کر گالوں پر پھسلتے چلے گئے۔

"تم ایک کام کرو۔ یہ چیزیں تبریز کے ساتھ ہی قبر میں دفنا دو۔ اگر گھر لے کر گیا تو بازغہ سنبھل نہیں پائے گی۔" انہوں نے اپنی بھیگی آنکھیں اپنی کمزور و کپکپاتی انگلیوں سے صاف کیں۔

"انکل اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا یہ چیزیں میں اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔" ایک چھوٹی سی التجا تھی۔ ایک معصومانہ ریکوئسٹ۔

آغا اکبر خان نے علی شاہ کا چہرہ دیکھا۔ جہاں ان کو تبریز خان کے کھونے کا درد واضح نظر آ رہا تھا۔ تبریز خان اس کے آخری لمحات کا ساتھی تھا۔ شاید تبریز خان میں کچھ بات تھی جو علی شاہ اس کے لیے دکھی تھا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" بس انہوں نے اتنی سی بات کی تھی اور وہ بھاری قدموں سے قبرستان سے باہر جانے لگے۔

اب انہیں یہ اندازہ کب تھا کہ ان چیزوں کے لیے انہیں یہ دن بھی دیکھنا ہوگا۔ ایک ذرا سی غلط فہمی کتنی بڑی نفرت اور دوری کا سبب بن رہی تھی۔

"مگر بابا جان آپ نے اس بات کا ذکر بھی کیا نہیں۔" دائم خان نے آہستگی سے کہا۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ تم لوگ اس قدر ردعمل کا مظاہرہ کرو گے۔" انہوں نے طنز میں بھیگا جملہ اس پر اچھالا تھا۔ دائم خان نظریں چرا گیا۔

"اور اگر پھر بھی یقین نہ آئے تو علی شاہ نے آسٹریلیا کے سی سی ٹی وی سے جو ویڈیو کلپ منگوا کے مجھے دکھائی تھی وہ دیکھ کر ہی یقین کر لو کہ تبریز خان کی موت حادثاتی تھی۔"

آغا اکبر خان نے سلگتی نگاہوں سے سبریز خان کو دیکھا۔ سبریز خان شرمندہ ہو گیا۔ اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ نظریں اٹھا کے آغا اکبر خان سے نظریں ملا سکے۔ اس سے واقعی بہت بڑی غلطی ہوئی تھی۔ جذبات کی رو میں بہہ کر وہ علی شاہ سے بہت زیادہ ناانصافی کر گیا تھا۔ بازغہ بھی گم صم سی آغا اکبر خان کو دیکھے جا رہی تھی۔

آغا اکبر خان نے دائم خان اور سبریز خان پر شاکی نظریں ڈالتے ہوئے بازغہ کو نرم نگاہوں سے دیکھا۔

"بچے میرے جگر کے ٹکڑے...... تبریز کی موت ایک ناگہانی موت تھی ایک سانحہ تھا اور آج مجھے یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ تم اب تک تبریز کی موت کو قبول نہیں کر پائی ہو۔ آج بھی اس کی یادوں سے تم نے اپنا جہان آباد کر رکھا ہے مگر میرا بچہ ہم اپنے بیتے کل میں جی کر اپنے آج کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ تم تو میری بہت سمجھدار اور عقلمند بچی ہو نا۔"

انہوں نے بازغہ کی خاموش آنکھوں میں دیکھا۔ وہ جو بنا پلک جھپکائے یک ٹک دیکھ رہی تھی، چپکے سے آنکھیں بند کر لیں اور واپس ان کے سینے میں سر چھپا لیا تھا۔ آغا اکبر نے ماہ پری کو دیکھا۔ ماہ پری سمجھ گئی ان کی آنکھوں کا اشارہ، وہ آگے بڑھی اور بازغہ کو آہستگی سے ان سے الگ کر کے دوسرے روم میں لے جانے لگی۔ آغا اکبر خان کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر گالوں پر پھسلے تھے اور ان آنسوؤں نے جیسے دائم خان اور سبریز خان کا دل چیر کے رکھ دیا تھا۔

آغا اکبر خان نے بے رحمی سے اپنے آنسو صاف کیے اور ان دونوں کو تیز نظروں سے دیکھا۔ "اب اپنی بے وقوفی اور بدعقلی پر ماتم کرنے کے بجائے علی شاہ کے پاس چلو۔ میں خود علی شاہ سے معافی مانگوں گا۔" آغا اکبر خان کے اس آخری جملے نے جیسے ان دونوں کے جسم سے جان کھینچ لی۔ ان دونوں نے تڑپ کے اپنے بابا جان کو دیکھا تھا۔ وہ تو ویسے ہی بہت دکھی تھے۔ اپنے بیٹے میں پہاڑ جیسا غم لیے جی رہے تھے ان دونوں کی ذرا سی غلطی نے ان کو بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"بابا جان! مجھے معاف کر دیجیے۔ میں تبریز کی محبت میں بالکل اندھا ہو چکا تھا۔" سبریز خان تڑپتا ہوا تیزی سے

آغا اکبر خان کے قریب آیا اور ان کے قدموں میں گر گیا۔

دائم خان بھی نادم نادم سا وہیں کھڑا رہا تھا۔ اچھا تو اس نے بھی نہیں کیا تھا علی شاہ کے ساتھ، مگر وہ علی شاہ سے معافی مانگ لے گا۔

☆.....☆

"میں آپ سے کہہ رہی تھی نا، اریش آپ سے بہت خوفزدہ ہے۔ وہ آپ سے بہت ڈری ہوئی ہے۔" انشراح کا گھٹا گھٹا سا لہجہ، گلابی آنکھوں میں آنسو...... سالار شاہ کچھ شرمندہ سا تھا۔ وہ اب تک صرف سن ہی رہا تھا مگر آج دیکھ بھی لیا تھا لیکن اگر یہی حالات رہے وہ اسی طرح اس سے خوفزدہ رہی تو سالار شاہ کیسے اس کو اپنے ہونے کا یقین دلائے گا۔ کیسے اپنے پیار اپنی بے پناہ چاہت کا یقین دلائے گا۔ اپنے ساتھ کا یقین دلائے گا۔ ماضی میں جو غلطیاں جو بھی ناانصافی ہوئی وہ ان سب کی تلافی چاہتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا جب اریش کا ڈر اس کا یہ خوف ختم ہوتا۔

"کوئی بات نہیں۔ ابھی کچھ دیر میں ہوش آ جائے گا۔"

بی بی جان نے سالار شاہ کی شرمندگی نوٹ کر لی تھی۔ محسوس تو انہیں پہلے ہی ہو گیا تھا کہ سالار شاہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہے اور اس سے بڑھ کر انسان کے ظرف کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ وہ گناہ کرتا ہے مگر اللہ کے حضور گڑگڑا کے معافیاں بھی مانگتا ہے تو رب بھی کتنا رحیم ہے اور جب اللہ رب العزت اپنے گناہگار بندے کو معاف کر سکتا ہے اس کی خطائیں، نادانیاں بھلا کے توبہ استغفار قبول کر سکتا ہے تو ہم تو بہت ادنیٰ سے اس کے بندے ہیں۔ ہم کیوں نہ اپنا ظرف اپنا دل بڑا کر کے سامنے والے کی غلطیوں سے درگزر کریں۔

"سالار بیٹا! پریشان مت ہو---- ان شاء اللہ سب بہتر ہو جائے گا۔ اریش کے ڈر کو اس کے خوف کو کمزور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم بار بار اریش کے سامنے آؤ۔ اس کی سوچوں کو طاقت ور بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اپنے ساتھ کا اپنے ہونے کا یقین دلاؤ۔" بی بی جان نہایت آہستگی سے نرم لہجے میں اس کو وہی انشراح کو بھی سمجھا رہی تھیں۔ جن کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپک رہے تھے۔ رافعہ ملک اس کے پاس آ کر بیٹھیں۔

"بی بی جان بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں انشراح! ہم سب نے مل کر اریش کو بہت سمجھایا ہے۔ اس کا خیال رکھا ہے اور آگے بھی رکھیں گے مگر جو بات خود سالار میں ہے اس سے اریش کی بکھری شخصیت میں بہت فرق آئے گا۔"

انہوں نے انشراح کے رخسار پر پھسلتے گرتے آنسوؤں کو اپنی انگلی سے صاف کیا۔

"اریش ٹھیک ہو جائے گی نا؟" سلگتی آنکھوں سے اس کا بس یہی سوال تھا۔

"ہاں ان شاء اللہ! اچھا اب تم یہاں سے اٹھو، دیکھو اب نے گڑیا کو نہیں سلایا ہو تو گڑیا کو یہاں ہمارے پاس لے آؤ جاؤ۔ اٹھو شاباش۔" رافعہ ملک کو صرف اریش کی ہی نہیں انشراح کی بھی فکر تھی۔ وہ خود بھی تو ابھی بہت بڑے صدمے سے باہر آئی تھی۔

انشراح کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا اریش کو چھوڑ کے جانے کا مگر رافعہ ملک کا کہنا بھی ماننا ضروری تھا۔ وہ اریش پر ایک بے بسی کی نظر ڈالتی اس کے پاس سے کھڑی ہوئی۔

"ڈر گہرا ضرور ہے جس میں سے شاید ابھی بھی لہو رستا ہے مگر تمہاری توجہ تمہارا خیال، تمہارا بے پناہ پیار ہی ان زخموں کو مندمل کر سکتے ہیں۔" بی بی جان کی اس گہری بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"اریش بیٹا!" بی بی جان نے بے ہوش سی اریش کے بالوں میں آہستہ آہستہ انگلیاں سہلائی تھیں اور یہ ان کی ممتا

بھری نرماہٹ تھی جس کی وجہ سے وہ دھیرے دھیرے آنکھیں وا کرنے لگی۔ اس کا سویا شعور بیدار ہونے لگا، آنکھوں کی چلمنوں اور ذہن کے پردے پر ایک چہرہ بہت واضح ہونے لگا تھا اس نے خوف سے آنکھیں زور سے بند کر لیں۔

بی بی جان نے اس کی سر و پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ "کیا ہوا میری جان!" ان کا پرشفقت لہجہ ان کا نرم و ملائم انداز جس سے اربش کو حوصلہ ملا اس نے آنکھیں کھولیں اور اپنے سر پر رکھا ان کا ہاتھ تھام کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"بی بی جان! وہ یہاں آئے تھے۔ بی بی جان مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔" کانپتے لہجے میں وہ اپنا ڈر ظاہر کر رہی تھی اور وہ جس کی بات کر رہی تھی وہ سامنے ہی بیٹھا اس کو دیکھ رہا تھا، اس کی تو جیسے جان میں جان آ گئی تھی اربش کو ہوش میں آتا دیکھ کر۔

وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی مگر بی بی جان کی نظریں صرف اس وقت سالار شاہ کے چہرے پر تھیں جس کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اس کو جیسے جینے کی امید مل گئی ہو۔ ان گہرے کانچ میں روشنیاں سی پھوٹنے لگی تھیں۔

"اچھا بس اب بالکل نہیں رونا ختم کرو۔" بی بی جان نے اس کو اپنی آغوش میں بھر لیا، رافعہ ملک اس کی کمر تو کبھی اس کا سر ہلکے ہلکے سہلانے لگی تھیں۔

☆......☆

صبح کے سات بج رہے تھے مگر ابھی تک بازغہ ان کے پاس نہیں آئی تھی ورنہ وہ صبح فجر کی نماز پڑھ کر اپنے اور زبیدہ جہاں کے لیے چائے لے کر ان کے کمرے میں آ جایا کرتی تھی۔ زبیدہ جہاں کو بازغہ کی اس قدر عادت ہو چکی تھی کہ انہیں اس کے بغیر ہر شے ادھوری اور نامکمل لگتی تھی۔ انہیں فکر سی ہونے لگی۔ وہ تسبیح لیے اپنے بیڈ روم سے باہر نکلیں۔ حویلی کے سارے ملازمین اپنے اپنے کاموں میں جتے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی تو ان کو اربش کی کمی بھی بہت ہی محسوس ہوتی تھی۔ نفرت سے ہی سہی مگر اس پر نظر ضرور پڑتی تھی اور وہ بے ضرر سی معصوم سی لڑکی سر کو جھکائے مؤدب کھڑی ہر حکم کے لیے تیار رہتی تھی لیکن وہ بھی اربش کے ساتھ کی گئی ہر زیادتی کا ازالہ کر دیں گی بس اس کے آنے کا انتظار تھا۔ وہ اگر عدت میں نہیں ہوتیں تو خود جا کر اربش کو لے آتیں۔ سالار شاہ کو گئے ہوئے بھی ہفتے سے زیادہ ہونے والا تھا مگر ابھی تک اربش اور گڑیا کو لے کر واپس نہیں آیا تھا، ان کا تو دل چاہ رہا تھا کہ خود جا کر اربش اور گڑیا کو لے آئیں۔ خیر اس میں کوئی عار بھی نہیں۔ وہ چلی جائیں گی تھوڑے سے ہی تو دن رہ گئے تھے ان کی عدت ختم ہونے میں مگر ابھی تو وہ بازغہ کو دیکھیں۔ وہ ابھی تک آئی کیوں نہیں اور علی شاہ رات میں کب لوٹا تھا۔

"سکینہ!" انہوں نے سکینہ کو آواز دی۔

"جی بڑی سرکار!" وہ اپنا کام چھوڑ کے تیزی سے ان کے پاس آئی تھی۔

"بازغہ نہیں اٹھی ابھی تک، طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟"

"بڑی سرکار وہ تو کل دوپہر کو آپ کو سلانے کے بعد ہی چلی گئی تھیں۔"

"کیا بکواس کر رہی ہے دماغ تو ٹھیک ہے تیرا، کہاں چلی گئی۔" زبیدہ جہاں کی کرخت آواز پر سکینہ سہم کر رہ گئی۔ اس کو لگا اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ وہ یہاں نئی آئی تھی اس لیے یہاں کے طور طریقے زیادہ نہیں جانتی تھی بس سب سے یہ ضرور سنا تھا کہ زبیدہ جہاں غصے کی بہت تیز ہیں۔ ان کو غصہ دلانے کا مطلب اپنی شامت کو بلانا ہے۔

"اب بولتی کیوں نہیں، چپ کیوں کھڑی ہے؟"

"جی...... وہ۔" وہ پوری جان سے کانپ کے ہی تو رہ گئی۔ زبیدہ جہاں کی تیز غصیلی آواز پر سکینہ کی ماں جنت بی بی بھاگتی ہوئی آئی۔

"بڑی سرکار اس سے کوئی غلطی ہو گئی، معاف کر دیں اس کو یہ جھلی ہے اس کو میں سب سمجھا رہی ہوں۔"

"بازغہ کہاں ہے؟"

"بڑی سرکار!...... خان کو پتا ہے۔ بازغہ بی بی کل روتی ہوئی ان کے ساتھ گاڑی میں گئی تھیں۔" زبیدہ جہاں کے خوف سے اس نے فرفر بولنا شروع کر دیا تھا ورنہ علی شاہ نے انہیں کچھ بھی بتانے کو منع کر دیا تھا۔

اب وہ صحیح معنوں میں الجھ کے رہ گئی تھیں، انہیں شدت سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

"بلاؤ جلدی سے ... خان کو۔" ایک منٹ کے اندر اندر [illegible] دوڑا چلا آیا تھا اور جو کچھ کل ہوا تھا وہ اس نے زبیدہ جہاں کے گوش گزار کر دیا تھا، اس کو بھی علی شاہ کی طرف سے یہی حکم ملا تھا کہ بڑی سرکار کو کچھ بھی نہ بتایا جائے۔

زبیدہ جہاں کے دھیان کے سارے دھاگے ایک دوسرے سے الجھنے لگے تھے۔ یقیناً کوئی تو بہت بڑی بات ہوئی ہے جو ان کے علم میں نہیں ہے اور اب یہ گتھی علی شاہ ہی سلجھا سکتا ہے، وہ وہاں سے ہٹ کر علی شاہ کے بیڈ روم کی جانب بڑھی تھیں۔

علی شاہ کے بیڈ روم کا دروازہ ہلکے سے کھٹکھٹایا تھا مگر اندر سے جواب ندارد۔ انہوں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا، کمرے میں گہری خاموشی کے ساتھ گھپ اندھیرا بھی تھا، زبیدہ جہاں نے ساری لائٹس آن کر دیں، پورے کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی، زبیدہ جہاں کی نظر پورے کمرے پر پڑی۔ ہر شے قرینے اور سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ بازغہ کی نفاست اور سگھڑ پن ہر شے سے جھلک رہا تھا۔

آخر کیا وجہ ہے جو بازغہ اس طرح اچانک سے اپنے گھر چلی گئی زبیدہ جہاں سے ملے بغیر اور جلول... خان کہ وہ پورے راستے روتی رہی تھی کیا بات ہوئی ہو گی، انہوں نے بیڈ پر نظر ڈالی جہاں بلینکٹ میں علی شاہ سو رہا تھا، وہ اس کی طرف بڑھیں۔

"علی!" وہ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھ گئیں، اور کمبل اس کے چہرے سے ہٹایا، زبیدہ جہاں کی پکار پر بھی علی شاہ نے آنکھ نہیں کھولی تھی۔ ان کے چہرے پر متاسفانہ بھری مسکراہٹ رینگ گئی۔ انہوں نے اپنی ہر اولاد سے ٹوٹ کے محبت کی تھی۔ علی شاہ تو زیادہ تر ان سے حویلی سے دور ہی رہا تھا، کبھی پڑھائی کے سلسلے میں تو کبھی بزنس کے سلسلے میں شاید یہی وجہ تھی کہ وہ عالم شاہ اور سالار شاہ سے مزاج میں قدرے مختلف تھا۔ اس کی عادتیں بھلے ہی سالار شاہ سے الگ تھیں مگر دونوں بھائی ایک دوسرے کو حد سے زیادہ چاہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا بازو تھے۔

زبیدہ جہاں کے چہرے اور آنکھوں میں نرم سا تاثر تھا، انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو اوپر کیا تو جیسے ان کو سو واٹ کا کرنٹ چھو گیا ہو۔ علی شاہ کا ماتھا دہک رہا تھا، اس کو بہت تیز بخار تھا، زبیدہ جہاں کی فکر اور پریشانی مزید بڑھنے لگی۔

"علی، علی چندا...... علی۔" وہ اس کو زور زور سے آوازیں دینے لگیں، اس کا شانہ ہلایا انہوں نے اس پر سے کمبل ہٹا دیا اس کے چہرے کو تھپتھپانے لگی تھیں، مگر وہ ہوش میں ہوتا تو کچھ بولتا۔

"[illegible]...... سکینہ!" وہ اپنے ملازمین کو پکارنے لگیں، جنت بی بی جو سکینہ کو کچھ سمجھا رہی تھی زبیدہ جہاں کی پر

زور آواز سے چونک کر رہ گئی اور تیزی سے علی شاہ کے کمرے کی جانب بھاگی اس کے ساتھ سکینہ بھی آئی۔
"حکم بڑی سرکار؟"
"جلدی ڈاکٹر کو فون کرو، جلدی سے اور... خان کو بول حکیم صاحب کو لے کر آئے۔ سب جانے میرے علی پتر کو کیا ہو گیا ہے۔" انہوں نے علی شاہ کی ہتھیلی اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر سہلانی شروع کر دی تھی۔ اس دوران متواتر علی شاہ کا فون بج رہا تھا مگر زبیدہ جہاں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ انہیں اس وقت سب سے زیادہ پروا اپنے علی شاہ کی تھی۔ کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر اور حکیم بھی آ گئے۔ دونوں نے اپنے اپنے طریقے سے چیک کیا۔ بخار کی حدت بڑھنے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ جلدی جلدی اس کے سر پر برف کی پٹیاں رکھی گئیں تو بخار کچھ معمول پر آیا۔
"زیادہ پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا ڈاکٹر صاحب؟"
"نہیں اب کوئی پریشانی یا خطرے کی بات نہیں ہے، بخار یا تو موسم کے بدلنے کی وجہ سے شدت پکڑ گیا ہے یا پھر ذہنی دباؤ کو لے کر۔"
"ذہنی دباؤ؟" زبیدہ جہاں نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر اور حکیم کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی بات کر رہے تھے۔
"جی بڑی سرکار! کوئی اسٹریس یا کسی بات کو لے کر انسان ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر ابھی یہ ٹھیک ہیں۔ میں نے انجکشن دے دیا ہے، کچھ دیر میں ہوش میں آ جائیں گے۔" وہ لوگ چلے گئے مگر زبیدہ جہاں کو بہت ہی گہری سوچوں میں ڈال گئے۔
انہیں یاد آیا کل شام وہ ان کے پاس آیا تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں کی تھی یہاں تک کہ لہجے و انداز سے بھی معمولی سی پریشانی کی بات کا تاثر نہیں جھلک رہا تھا تو پھر یک لخت کیا بات ہو سکتی ہے جو نوبت اس حد تک بڑھ گئی۔
بازغہ کا حویلی سے روتے ہوئے اپنے گھر جانا، علی شاہ کا رات دیر سے گھر آنا۔ یہ سب ان کو مزید الجھا رہا تھا۔
"فون" ان کا دھیان اس کے فون پر گیا جو متواتر بج رہا تھا۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے علی شاہ کا فون اٹھا لیا۔ کوئی پچاس ساٹھ سے زائد کالز تھیں۔ جس پر "آغا بابا جان" لکھا ہوا تھا اور اس سے پہلے وہ ان سے جاننے کے لیے ان کو فون کرتیں ایک بار پھر فون بج اٹھا۔
زبیدہ جہاں نے کال ریسیو کر لی تھی اور علی شاہ کی جو کنڈیشن ان کو بتائی تھی "آغا دادا" نے کھلبلی کے ساتھ غصہ و ناراضی کا ایک بار پھر دائم خان اور سمیر خان نشانہ بنے تھے۔

☆......☆

ارش کی آنکھ صبح کے کوئی نو اور دس بجے کے درمیان کھلی تھی۔ اس کو محسوس ہوا جیسے کچھ عجیب سا ہے جیسے کچھ الگ، بیڈ روم کی مدھم روشنی میں واضح تو نہیں ہوا مگر شعور اور عقل نے جب پوری طرح کام کرنا شروع کیا تو خود کو کسی کی مضبوط بانہوں میں مقید پایا تھا۔ اس کا سر کسی کے مضبوط سینے پر دھرا تھا اور ہاتھ کسی کے ہاتھ میں قید تھا۔ اس نے ذرا سا سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ کوئی اور نہیں سالار شاہ ہی ہو سکتا ہے۔ ارش کے اندر سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ سالار شاہ کی اتنی قربت سے خوفزدہ ہی تو ہو گئی تھی۔ اسے یاد تھا سالار شاہ ہر رات اس کو بے رحمی اور بے دردی سے استعمال کر کے کسی بدبودار کچرے کے ڈھیر کی طرح خود سے دور پھینک دیا کرتا تھا۔ جیسے وہ کسی موذی بیماری میں مبتلا ہو مگر کبھی اس طرح وہ اس کے قریب نہیں آئی تھی۔ اس کا ذہن جب پچھلی گزری باتوں کو سوچنے لگا تو ڈر

اور خوف پہلے سے زیادہ اس کے وجود پر حاوی ہونے لگے۔
وہ ایک جھٹکے سے اس سے الگ ہوئی تھی۔ اس کے اس طرح سے الگ ہونے پر سالار شاہ کی آنکھ کھلی تھی۔ ارش کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بیڈ سے نیچے اترتی، سالار شاہ نے اس کی نازک کلائی تھامی اور اس کو اسی جھٹکے سے واپس اپنی جانب کھینچا۔ وہ سیدھا اس کے چوڑے سینے پر آ گری۔ سالار شاہ نے اس کی نازک کمر پر اپنی بانہوں کا حصار باندھ دیا کہ اس کے نکلنے کا راستہ مسدود ہو کر رہ گیا۔
"صبح صبح کہاں جا رہی ہو؟" گمبھیر لہجے میں جہاں بھر کا پیار سمیٹے وہ ان سیاہ نینوں میں جھانک رہا تھا۔ ارش کی لرزتی پلکیں رخسار پر سجدہ ریز ہو گئیں۔ جہاں اب لالی بکھرنے لگی تھی۔ وہ آرام آرام سے یہ تسلیم کرنے لگی تھی کہ یہ کوئی خواب نہیں۔ سالار شاہ ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے۔ اس کے انداز میں تبدیلی آ گئی ہے پہلے جیسی رعونت اور سختی بالکل مفقود تھی مگر وہ کیا کرے اس دل کا جس میں ڈر ابھی بھی کنڈلی مار کے بیٹھا تھا۔
"ارش؟" جانے اس پکار میں کیا فسوں تھا جو ارش نے لرزتی پلکیں اوپر کو اٹھا کے اس کے چہرے پر نظریں ٹکا دی تھیں۔ کتنی ہی دیر تک سالار شاہ ان سیاہ نینوں میں دیکھتا رہا تھا۔ ارش ان نرم و گرم نگاہوں کی زیادہ دیر تک تاب نہیں لا سکی تھی۔ اس نے چہرے کے ساتھ ساتھ نگاہوں کو بھی جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر بہت خوبصورت سے رنگ بکھرنے لگے تھے۔ جنہیں سالار شاہ نے نہایت دلچسپی سے دیکھا تھا بلکہ ہاتھ بڑھا کے اس کی تھوڑی پکڑ کے اس کا چہرہ اوپر کو اٹھایا تھا۔
"کیا ہوا؟" ہلکے سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" نگاہیں واپس جھکا کر وہ ایک بار پھر اس کے حصار کو توڑنے کی ہلکی سی مزاحمت کرنے لگی تھی جو ناکام ثابت ہوئی۔
"کوئی خواب نہیں ہے ارش! میں کوئی خواب نہیں ہوں، میں زندگی ہوں تمہاری، تم زندگی ہو میری، میری آتی جاتی سانسوں میں زندگی بن کے دوڑنے لگی ہو، میرے دل کی دھڑکنوں میں دھڑکنے لگی ہو۔ بھروسہ اور اعتبار کر کے دیکھو، وعدہ کرتا ہوں یہ تمہارا بھروسہ ٹوٹنے نہیں دوں گا اور نہ تم کو۔" کہنے کے ساتھ ساتھ وہ اس کے دہکتے رخسار پر اپنی ہتھیلی اور انگلیوں کی پشت کو دھیرے دھیرے پھیر رہا تھا۔ یہ جانے اور محسوس کیے بنا کہ اس کے اس لمس سے ارش کے اندر ایک تلاطم سا برپا ہو رہا ہے۔ دل کچھ اور چاہتا تھا اور دماغ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ کبھی وہ شرم و حیا سے خود میں سمٹنے لگتی تو کبھی خوفزدہ ہو کر کھنچنے لگتی۔ اور اس کی یہ کیفیت سالار شاہ کی زیرک نگاہوں سے بھلا کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ حالات کیسے بھی رہے ہوں مگر یہ حقیقت بھی تو وہ نہیں جھٹلا سکتا تھا کہ وہ کتنے عرصے راتوں کی تنہائی میں اس کے ساتھ رہی ہے۔ دن کے اجالے میں بھی وہ اس کی نظروں کے سامنے رہی ہے۔ پھر کیسے نہ وہ اس کے چہرے اور آنکھوں کے آتے جاتے رنگوں کو پہچانتا۔
ارش نے دھیرے سے آنکھیں موند لیں، وہ ابھی بھی یقین اور بے یقینی کے سفر میں تھی، آنکھوں کے گوشے سے چند موتی ٹوٹ کر سالار شاہ کا سینہ بھگوتے چلے گئے تھے۔ سالار شاہ نے بانہوں کا گھیرا مزید تنگ کر دیا اور اس کی پیشانی پر اپنے یقین کی اپنی چاہت کی مہر ثبت کر دی اور ارش حیا سے مزید اس کے اندر سمٹ گئی۔

☆......☆

"آغا اکبر خان اپنے ساتھ دائم خان اور سمیر خان کے ساتھ بازغہ کو حویلی لے آئے تھے۔ جب سے سنا تھا سمیر خان اور دائم خان شرمندگی اور ندامت کے مارے آغا اکبر خان کے آگے سر اٹھانے کی جرات نہیں کر

رہے تھے، اور سبریز خان کا تو مرنے کا دل چاہ رہا تھا کیونکہ سب سے خراب سلوک اس کا تھا، اس نے علی شاہ پر صرف ہاتھ ہی نہیں اٹھایا تھا بلکہ اس کو گالی بھی دی تھی۔ آج اس کے جذباتی غصے کی وجہ سے کسی کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ کسی کا دل دکھا تھا۔

زبیدہ جہاں کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو فوراً ہال میں پہنچیں۔

"السلام علیکم بھائی صاحب!"

"وعلیکم السلام بہن کیسی ہیں آپ؟" آغا اکبر خان کی نگاہیں نیچی تھیں۔ ان کے انداز میں نہایت عزت تھی۔

"الحمدللہ آپ سنائیے علی نے ابھی بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ جبھی بازغہ تیزی سے بھاگی تھی، میں بہت پریشان ہو گئی تھی۔" نہایت سادگی سے انھوں نے کہا تھا، انداز اور لب و لہجے میں کہیں سے بھی تنگی یا ناراضگی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا علی شاہ نے ان کو کچھ بھی نہیں بتایا۔

"بہتر ہے اب علی بیٹے کیسے ہیں۔" ان کے دل میں علی شاہ کے لیے مزید پیار بڑھا، کتنا بڑا دل تھا اس کا، چاہتا تو زبیدہ جہاں کو بتا سکتا تھا مگر کچھ نہیں کہا۔ سبریز خان اور بازغہ نے کوئی معمولی بات تو نہیں کی تھی، قتل کا الزام لگایا تھا۔

بازغہ تو اپنی جگہ چور بنی ہوئی تھی یہ سب اسی کی وجہ سے تو ہوا تھا۔ رو رو کر اپنی آنکھیں سجا لی تھیں، ملگجے کپڑے، بکھرے بال، اجڑا سا حلیہ، جیسے پتا نہیں کتنے دن ہو گئے خود کو سنوارے ہوئے یا پھر کتنے برسوں کی بیمار ہو۔ زبیدہ جہاں کو بازغہ کی یہ حالت دیکھ کر بہت افسوس اور دکھ ہوا تھا، انھوں نے شادی کے بعد بھی اس کو ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنائی ہوئی ہے بازغہ بیٹا، حویلی کی بہو ہو، علی شاہ کی بیوی، نہ کوئی روپ نہ بناؤ سنگھار۔" زبیدہ جہاں ٹوکے بنا نہیں رہ سکیں۔ ان کی آنکھوں اور چہرے پر ہلکا سا گلہ بھی تھا جو آغا اکبر خان نے نوٹ کر لیا تھا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ جب سے علی بیٹے کا پتا چلا ہے تب سے ہی رو رو کر ہلکان ہو گئی ہے میری بچی۔" آغا اکبر خان نے ہی بات سنبھالی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ بازغہ کے لیے ان کے دل و دماغ میں کوئی شک آئے، کوئی وسوسہ جگہ بنائے۔

زبیدہ جہاں مطمئن ہو گئیں یا نہیں یہ تو وہ نہیں جانتے تھے مگر بازغہ کے لیے ان کے چہرے پر نرم تاثر ابھرنے لگے۔

"زبیدہ بہن ہم لوگ علی سے مل سکتے ہیں۔" آغا اکبر خان کب سے علی شاہ سے ملنے کے لیے بے چین و بے تاب ہو رہے تھے۔

"ارے کیوں نہیں بھائی صاحب! خان۔" زبیدہ جہاں نے مؤدب کھڑے خان کو آواز دی اور اس کو حکم دیا کہ مہمانوں کو علی شاہ کے بیڈروم میں لے کر جائے، اور ساتھ جنت بی بی کو حکم بھی دیا کہ چائے کا انتظام کرے اور دوپہر کا کھانا لاجواب ہونا چاہیے کسی شے کی کمی نہ ہو۔" ان تینوں کے ساتھ وہ بھی اپنے ہی بیڈروم میں مہمانوں کی طرح داخل ہوئی تھی، یا یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اجنبی۔ اپنا ہی وجود کسی بوجھ سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

علی شاہ بیڈ پر آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔ اس کو بازغہ کی نفرت شدید نفرت نے نہیں توڑا تھا بلکہ تبریز خان کے قتل کے الزام نے اندر سے توڑ دیا تھا، اس کا دل کانچ کی کرچیوں کی طرح بکھر گیا تھا مگر اس کے باوجود بھی وہ اس

دشمن جاناں سے نفرت نہیں کر سکتا تھا اس سے ناراض اور خفا نہیں ہو سکتا تھا۔ بس اس کو خود سے الگ کر آیا تھا۔ اس کی خوشی کے خاطر اس کو اس کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ اور غصہ اور جذبات میں وہ چھوڑ تو آیا تھا مگر اس سوچ نے اس کو بکھیر دیا تھا کہ وہ کیسے بازغہ کے بغیر رہ سکے گا۔ ان آنکھوں کو اس چہرے اس وجود کو دیکھنے کی عادت ہو چکی ہے۔ اب کیسے زندگی گزرے گی، کیسے جیے گا اس کے بنا، اس تکلیف دہ سوچ کی وجہ سے تو وہ بیمار پڑ گیا تھا اور ابھی تو یہ شروعات ہے، ابھی تو چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں گزرے تو یہ حال ہوا ہے۔

"علی بیٹا!" آغا اکبر نے ہلکے سے پکارا تھا۔ علی شاہ جو اپنی ان تکلیف دہ سوچوں میں اس قدر منہمک تھا تصور جاناں میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ اکبر خان کی آواز نہیں سنائی دی ساتھ نہ ان لوگوں کی آہٹ۔ "آغا اکبر خان مزید کچھ قدم آگے بڑھے تھے اور ایک بار پھر نرمی سے پکارا تھا۔ علی شاہ نے ہلکے سے بازو آنکھوں پر سے ہٹایا تھا اور جو چہرہ سامنے تھا وہ اس کی سوچ کے برعکس تھا۔

"ارے بابا جان آپ!" وہ تیزی سے ان کی تعظیم میں بیڈ سے کھڑا ہوا تھا اور آغا اکبر خان کی طرف بڑھا۔ ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کے ان پر بوسہ لیا، بلاشبہ وہ ان کی بہت عزت کرتا، نہایت احترام سے پیش آتا تھا۔

"آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا۔" ان کی طبیعت آج کل اچھی نہیں تھی اس لیے علی شاہ نے کہا۔

"بیٹا ضرورت ہماری ہے، خطا ہم سے سرزد ہوئی ہے تو چل کر بھی تو ہمیں آنا چاہیے تھا۔" آغا اکبر خان کے لہجے میں شرمندگی بول رہی تھی اور اسی لہجہ اور شرمندگی نے علی شاہ کے دل پر چوٹ پہنچائی تھی۔

"پلیز بابا جان! آپ میرے لیے بہت قابل احترام ہستی ہیں۔ ایسی بات کہہ کر مجھے شرمندہ مت کریں نہ میری محبت کو شک کے ترازو میں تولیں۔" علی شاہ کی آنکھیں بخار کی شدت سے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس کا پورا جسم بھٹی کے مانند دہک رہا تھا۔ آغا اکبر خان کو شدت سے احساس ہوا تھا۔ پیچھے کھڑے دائم خان اور سبریز خان آگے بڑھے، غلطی ان لوگوں سے سرزد ہوئی تھی تو ان کا فرض تھا کہ وہ معافی مانگیں۔

"آئی ایم سوری علی! مجھے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی بنا سوچے بنا جانے تم سے برا سلوک کیا۔" سبریز خان نے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیے۔

"ارے سبریز بھائی! کیا کر رہے ہیں۔ کیوں مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہے ہیں۔" علی شاہ نے سبریز خان کے دونوں جڑے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"میں نے آپ میں اور سالار لالہ میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا جیسے سالار لالہ میرے لیے معزز ہستی ہیں ایسے ہی آپ کو سمجھتا ہوں، اور غلطیاں تو انسانوں سے ہی ہوتی ہیں، کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔"

دائم خان کے دل میں کئی گنا علی شاہ کے لیے عزت و توقیر بڑھی تھی، بازغہ کے لیے علی شاہ سے بڑھ کر بہترین جیون ساتھی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

"یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے علی!" سبریز خان ہلکے سے مسکرایا اور اس کے گلے سے لگا تھا مگر اس کے گلے لگتے ہی زوردار جھٹکا اس کو لگا تھا۔

"تمہارا تو پورا جسم آگ کی طرح دہک رہا ہے علی۔"

"ارے نہیں سبریز بھائی بس معمولی سا بخار ہے ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈاکٹر چیک اپ کر کے گیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بشاش لہجے میں بولا۔

"نہیں یہ معمولی نہیں ہے، اچھا تم لیٹو یہاں۔" سبریز خان نے اس کو بیڈ پر زبردستی کر کے لٹا دیا تھا۔

"اور ان سب ڈاکٹروں کو چھوڑو ہماری بازغہ خود کسی ڈاکٹر سے کم نہیں ہے۔"

"ویسے بازغہ کے بنائے ہوئے جڑی بوٹیوں کے قہوے سے رات تک تم بالکل پرفیکٹ نہ ہو جاؤ تو کہنا۔" دائم خان نے پر مزاح انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

علی شاہ کی نظر اب اس دشمن جاں پر پڑی تھی اور اس کو ایسے بکھرے حلیے میں دیکھ کر جیسے اس کا دل تڑپ اٹھا تھا، کسی تیز دھاری تلوار سے اس کے جسم کے ہزاروں ٹکڑے ہو گئے تھے۔ وہ کب چاہتا تھا اس کو ایسی اجڑی بکھری حالت میں دیکھنا، بنا سنگھار کے وہ صرف اس کا دل ہی دکھا رہی ہے۔ یہ بات شاید وہ نہیں جانتی، ان کے درمیان کچھ بھی ہو مگر علی شاہ نے تصور میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ اس کے سامنے ایسی حالت میں بھی آ سکتی ہے۔

گل والے سوٹ میں وہ ابھی بھی کھلی ہوئی تھی جس پر لاتعداد شکنیں تھیں۔ بنا چوڑیوں کی وہ کلائیاں کس قدر سونی سونی لگ رہی تھیں۔ بنا کاجل کے وہ جھکی اور بھیگی آنکھیں اس کی روح کو چیر رہی تھیں۔

دائم خان کی پر مزاح بات پر بھی اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔

"ہوں۔"

بس "ہوں" پر ہی اکتفا کیا تھا جس کا مطلب ان لوگوں نے یہی اخذ کیا کہ علی شاہ بازغہ سے سخت ناراض ہے۔ فی الحال وہ لوگ خاموش ہی رہے۔ ابھی علی شاہ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی، اور دائم خان کی بات سچ ثابت ہوئی، بازغہ کا کڑوا جڑی بوٹی قہوہ پی کر وہ رات تک بہت اچھا محسوس کر رہا تھا۔

کچھ ہی دن میں علی شاہ بالکل صحت یاب ہو گیا تھا اور یہ سارا کمال صرف بازغہ کے خیال اس کی دیکھ بھال کا نتیجہ تھا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ جو اس کو ہر دو گھنٹے بعد جڑی بوٹیوں کے قہوے تو کبھی سوپ بنا کر دے رہی تھی اور وہ بیچارا کسی میٹھے امرت کی طرح حلق میں اتار رہا تھا۔ صرف بازغہ کے لیے اس کی ایک نظر کے لیے۔

"یہ لیجیے۔"

بازغہ نے علی شاہ کے مگ میں قہوہ ڈال کر دیا۔ علی شاہ جو اپنے لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا تھا اس کو آف کیا اور بازغہ کے ہاتھ میں بلیک کلر کا مگ دیکھا، اور جس طرح برا سا منہ بنایا تھا بازغہ نے بمشکل اپنی اچانک سے اٹھتی مسکراہٹ ضبط کی تھی، اس کو یکدم سے تبریز خان کی یاد ضرور آئی تھی۔ وہ بھی اس کے بنائے قہوے کو دیکھ کر برے منہ بنایا کرتا تھا مگر وہ بھی اس کے برے منہ کی پرواہ کیے بنا ہر دوا اس کو پلا دیا کرتی تھی۔

علی شاہ نے اس کی پرسوچ آنکھیں اور چہرہ دیکھ لیا تھا مگر خاموش رہا اور اسی خاموشی سے وہ بلیک کلر کا مگ تھام لیا۔ بازغہ نگاہیں جھکائے وہاں سے جانے لگی، تبھی علی شاہ نے پیچھے سے پکارا۔ بازغہ نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہو چکا ہوں، اور میرا نہیں خیال کہ ایسے قہوے پی کر اب بیمار پڑنے کا بھی ارادہ کر سکتا ہوں۔" اس کے بے ساختگی سے کہنے پر بازغہ کے خاموش لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

اسکائی بلیو کے ایزی شلوار سوٹ میں وہ نہایت وجیہہ لگ رہا تھا۔ بازغہ کو اس سے محبت تو نہیں ہوئی تھی مگر اتنا ضرور ہوا تھا کہ وہ اس کی اچھائی سے ضرور متاثر ہوئی تھی۔ علی شاہ سے اس نے بے شک بہت نفرت کی شدید نفرت، صرف اس وجہ سے کہ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے تبریز خان کی جگہ لے لی مگر وہ غلط تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ علی شاہ اس سے تبریز خان کی یادیں چھین لے گا اس کے وجود پر قابض ہو جائے گا، مگر وہ غلط تھی۔ اس کی سوچ غلط تھی۔ علی شاہ نے کبھی بھی اس پر اس کے جسم پر حاوی ہونے کی کوشش نہیں کی، ورنہ وہ مرد تھا اس کا شوہر تھا ان کے

درمیان قانونی و شرعی رشتہ تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا، اس سے اپنا حق لے سکتا تھا مگر علی شاہ نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ ہمیشہ اس کی ذات کو معتبر جانا اور شاید اسی لیے وہ بازغہ کے دل میں گھر کر پایا تھا اپنی ایک خاص جگہ بنا سکا تھا۔

"اگر میری ذات کا مکمل طور پر جائزہ لے لیا ہو تو کیا اجازت ہے اس کڑوے قہوے کو پینے کی۔" سبز نگاہوں میں جہاں بھر کی شوخی و شرارت لیے وہ بغور اسکو دیکھ رہا تھا، پیازی کلر کے خوب صورت سوٹ میں اس کے چہرے کی رنگت بھی ہم رنگ ہو رہی تھی۔ بازغہ نے حیا سے نگاہ جھکا لی۔

"میرا خیال ہے جناب آپ واقعی بالکل ٹھیک ہو چکے ہیں۔" بازغہ نے سنجیدگی بھرے لہجے میں اس کی شوخی پر طنز کیا تھا۔ پہلے وہ اس کی شریر نگاہوں اور شریر جملوں سے بہت چڑتی تھی مگر اب یہ سب اچھا بھی لگنے لگا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے علی چندا۔" زبیدہ جہاں عصر کی نماز پڑھ کر ابھی چلی آئی تھیں اور ساتھ والے صوفے پر آرام سے براجمان ہو گئیں۔ بازغہ جو ان کے آنے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ کچن میں جنت بی بی کو کہا کہ ناشتے کی ٹرالی لگائے اور واپس زبیدہ جہاں کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"بے بے! ابھی دن سے یہ کڑوا قہوہ پی رہا ہوں کہ میرے اندر کے اعضاء بھی کہہ رہے ہیں علی بس کرو خدارا، اب اور برداشت نہیں ہے۔" علی شاہ کے اتنی معصومیت اور بیچارگی سے کہنے پر زبیدہ جہاں بھی ہلکے سے ہنس دیں۔

"میرے چاند یہ تمہاری صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔"

"بالکل اب بیگم اپنی بہو کو کہیں رات کے ڈنر میں میری فیورٹ کچھ بہت چٹ پٹی ڈش بنا دے۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنی ناک دو انگلیوں سے بند کی اور ایک سانس میں وہ کڑوا جڑی بوٹی والا قہوہ حلق میں اتار لیا۔ بازغہ کو اس کی حرکتوں میں بہت ہنسی آ رہی تھی مگر اس نے اپنے چہرے پر آتی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے جنت بی بی سے کباب والی ٹرالی تھام لی اور پلیٹ میں کباب سرو کرنے لگی۔

"اچھا میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔"

انہوں نے بازغہ کے ہاتھ سے پلیٹ تھام لی اور کباب کا ایک بائٹ منہ میں ڈالا اس دوران علی شاہ بھی قہوہ ختم کر چکا تھا۔

بازغہ نے ترس کھا کر اس کی پلیٹ میں دو کباب کے ساتھ چلی سوس رکھا اور اس کی جانب پلیٹ بڑھا دی۔

"تھینک یو۔" اس نے مسکراتے ہوئے پلیٹ تھام لی۔

"جی بے بے بتائیے کیا سوچ رہی ہیں آپ۔"

"مجھے کراچی جانا ہوگا، ارتش اور اپنی ضوبیہ کو لینے۔ عدت تو ویسے بھی میری ختم ہو چکی ہے تو بس یہی سوچا کہ اب سے پہلے یہی نیک کام کروں۔" علی شاہ نے کچھ نہیں کہا۔ چاہتا تو وہ خود بھی یہی تھا مگر مجبور تھا۔

"میں جانتی ہوں سالار نے پوری جان لگا دی ہوگی ارتش کو منانے میں۔ ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا دیا ہوگا اس کو یہاں لانے میں، مگر سالار کی چاہت پر ارتش کا خوف بھاری ہو گیا ہے۔ ہم سے بہت ہی زیادتیاں اور ناانصافیاں ہوئی ہیں جن کا ازالہ کرنا بے حد ضروری ہے اور اگر میں اس بچی کے آگے جھک جاؤں گی اس سے معافی مانگ لوں گی تو مجھے کوئی شرم نہیں، کوئی ندامت نہیں۔" زبیدہ جہاں نرم لہجے میں بولیں۔

"اور پھر حویلی میں اپنی دونوں بہوؤں کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کرواؤں گی۔" انہوں

نے جاں نثار نگاہوں سے اپنے ساتھ بیٹھی بازغہ کو دیکھا۔

"تو ٹھیک ہے میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" "بالکل چلو بلکہ بازغہ بھی چلے گی ہمارے ساتھ وہاں کے سب سے مہنگے بوتیک سے میں اپنی دونوں بہوؤں کے لیے خوب صورت سا سوٹ خریدوں گی۔"

علی شاہ نے محبت سے بازغہ کو دیکھا تھا، شاید وہ اپنی محبت میں سرخرو ہو جائے۔ اس کی محبت و چاہت سے بھری سبز نگاہوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

☆.....☆

زبیدہ جہاں دوسرے ہی دن علی شاہ اور بازغہ کے ہمراہ "ملک ولا" پہنچ چکی تھیں۔

"ماشاء اللہ پوری کی پوری ہماری میری ضوبیا ہے۔ وہی آنکھیں وہی ناک ویسے ہی ہونٹ اور ایسی ہی کھلتی گلابی رنگت۔" زبیدہ جہاں نے گود میں لی گڑیا کو نظر بھر کے دیکھا تھا بلکہ کبھی اس کی آنکھوں پر تو کبھی ناک ہونٹ پر بوسے لے رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ضوبیا شاہ ان کی گود میں واپس آ گئی ہو، ویسے ہی ان سے لاڈ اٹھوا رہی ہو۔ زبیدہ جہاں کی آنکھوں میں پانی سا بھر گیا، گڑیا کو گود میں لے کر جہاں ان کا دل ضوبیا شاہ کے لیے اس کی یاد کے لیے تڑپا تھا وہیں ان کے دل کو سکون سا ملا تھا۔ ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک کا احساس پیدا ہوا تھا۔

سب ان کی اس محبت کو دیکھ رہے تھے ان کے جذبے کو دیکھ رہے تھے، ان کی بھیگی آنکھوں کو دیکھ رہے تھے..... اس ماں کی ممتا کو دیکھ رہے تھے جو وہ گڑیا پر نچھاور کر رہی تھیں۔

سالار شاہ زبیدہ جہاں کے برابر میں بیٹھا تھا۔

"بے بے!" سالار شاہ نے ان کے شانے پر نرمی سے اپنا آہنی بازو پھیلایا تھا، زبیدہ جہاں نے سالار شاہ کو رخ گھما کے دیکھا۔

"سالار۔" گلوگیر لہجہ بھیگی آنکھوں سے وہ سالار شاہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"سالار ضوبیا ہے نا یہ۔"

"جی بے بے!" اس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"گھر لے کر چلیں گے ہم اپنی بیٹی کو۔"

"بالکل بے بے!"

"مگر بیٹا، ہماری بہو کہاں ہے؟" انہوں نے متلاشی نگاہیں اپنے اطراف میں دوڑائیں مگر ناکام ہو گئیں کیونکہ اربش ان کو کہیں نہیں دکھائی دی، سالار شاہ نے بھی ادھر ادھر نظر ڈالی مگر وہ کہیں نہیں تھی، اس کو بے حد شرمندگی کا احساس ہوا وہ کیونکر محسوس نہیں کر سکا کہ یہاں اربش موجود نہیں ہے۔

"میرا خیال ہے وہ اپنے روم میں ہے، میں لے کر آتی ہوں۔"

انشراح جس کے دل میں کچھ خفگی سی آ گئی تھی زبیدہ جہاں کو لے کر، انہوں نے نہ تو اربش کا پوچھا نہ اس کا خیال آیا وہ شاید یہاں صرف اپنی پوتی سے ملنے آئی ہیں۔

تبھی سالار شاہ کی نگاہ روم کے دوسرے دروازے کے پردے پر پڑی جہاں اربش کا بلیو جارجٹ کا دوپٹا جھانک رہا تھا۔

"ایک منٹ انشراح۔" سالار شاہ نے اٹھتی ہوئی انشراح کو ٹوکا، اور خود کھڑا ہو گیا۔

"بے بے مجھے دیں۔" بازغہ نے دونوں ہاتھ پھیلائے گڑیا کو لینے کے لیے تو زبیدہ جہاں نے احتیاط سے کسی

موم کی گڑیا کی طرح ضوبیا کو بازغہ کو دیا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو اندر آؤ بے بے بلا رہی ہیں تم کو۔" سالار شاہ کی قریب سے آتی بھاری آواز پر وہ بری طرح چونک کر رہ گئی۔

"ن... نہیں۔" اس نے تیزی سے نفی میں ادھر ادھر گردن ہلائی، سالار نے بغور اس کے چہرے کا خوف دیکھا تھا۔

"مگر کیوں؟"

"مجھے بڑی سرکار سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

وہ سمجھ سکتا تھا اس کے ڈر کو اور جس طرح وہ کانپ رہی تھی یہ بھی محسوس کر سکتا تھا، مگر اب اربش کو سمجھنا ہوگا، اس کو جاننا ہوگا کہ وہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

"کچھ نہیں ہوگا تم آؤ میرے ساتھ، میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔" سالار شاہ نے اس کے کپکپاتے ہوئے وجود کو اپنے حصار میں لیا اور ڈرائنگ روم میں آنے لگا مگر اربش نے اس کی قمیص زور سے مٹھی میں دبوچ لی تھی، بہت مشکل سے وہ سالار شاہ پر اعتبار کر پائی تھی اس پر بھروسہ کر پائی تھی۔

زبیدہ جہاں نے گردن موڑ کے دیکھا جہاں سالار شاہ اس کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیے چلا آ رہا تھا، اربش کی ڈری سہمی کیفیت وہ دور سے بھی محسوس کر سکتی تھیں، وہ خود ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

"یہاں آؤ۔" زبیدہ جہاں نے شفقت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے نرم و ملائم آنکھوں سے اس کو دیکھا تھا مگر اربش نے مزید مضبوطی سے سالار شاہ کی قمیص پر گرفت سخت کر دی۔ زبیدہ جہاں خود آگے بڑھیں، اربش کے ڈر و خوف کا انہیں اندازہ تھا۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی اور ایک قدم مزید آگے بڑھیں۔

"ہم جانتے ہیں ہم سے بہت ناانصافیاں بہت سی زیادتیاں ہوئی ہیں۔ میری ذات سے تمہیں بہت نقصان پہنچا ہے، بہت ایذا دی ہے تمہیں، تکلیف، دکھ، ہم ملے ہیں۔ تمہارا دل بھی دکھایا ہے۔"

پورے ہال میں خاموشی کا راج تھا جس کو صرف زبیدہ جہاں کی سنجیدہ اور شرمندہ آواز چیر رہی تھی، ان کے بھیگے لب و لہجے سے ان کے پشیمان انداز سے صاف ظاہر تھا کہ ان کو حالات نے بہت بدل دیا ہے۔

رحمت جو دور کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی وہ تو زبیدہ جہاں کو جانتی تھی اچھی طرح ان کی عادات و اطوار سے واقف تھی، ایک سخت دل غرور سے بھری ہوئی عورت آج اگر ٹوٹی ہوئی ہے تو اس کی بھی بڑی وجہ ہے، ورنہ زبیدہ جہاں کی سرشت میں کہاں تھا جھکنا معافی مانگنا۔

"ہم جیسے لوگ اپنے گھمنڈ اپنے غرور میں اتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ یہ بات بالکل بھول جاتے ہیں کہ ہم سب کا مالک ہمارا رب سائیں سب سے زیادہ طاقت ور ہے، جو بہتر انصاف کرنے والا ہے۔ میں نے بھی وہی کیا..... میں جو سمجھتی تھی مجھ پر، میری اولادوں پر کبھی کوئی برا وقت نہیں آئے گا، میں جو سمجھتی تھی کہ صرف حکمرانی کرنے کے لیے پیدا ہوئی ہوں۔ جیسے اس جہاں میں، میں اپنی مرضی سے جیتی ہوں لوگوں پر حکمرانی کرتی ہوں ایسے ہی اگلے جہاں میں میرا راج رہے گا، تو میں غلط سوچتی تھی۔ حالات نے مجھے بہت بڑا سبق دیا ہے۔ عرش سے زمین پر ایسے پٹخا ہے کہ اگر خود کے ٹکڑے بھی گننا چاہوں تو مشکل ہے۔" وہ کچھ دیر رکی تھیں سانس لینے کو یا پھر ان کا دل بہت زیادہ بھر آیا تھا، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی نکلنے لگی تھی۔

علی شاہ جو چپ چاپ ان کو سن رہا تھا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور چلتا ہوا زبیدہ جہاں کے پاس آیا ان کے پیچھے

شانے پر اپنا بازو دھر دیا۔
"ضوبیا شاہ کو جب سوچتی ہوں تو پوری نظر گھماؤ اور روزِ اوّل بھی تو یاد نہیں پڑتا کہ میری ضوبیا شاہ کو معمولی سی بھی پھانس چبھی ہوگی، مگر جب یہ سوچتی ہوں کہ کتنی اذیت کتنی تکلیف سے اس کی جان نکلی ہوگی۔ اتنی آسانی سے تو اس کے جسم سے روح نہیں نکلی ہوگی..... نہایت بے رحمی سے بے دردی سے اس کو مارا گیا ہے اور اس طرح..... زیادتی کا شکار کر کے....." زبیدہ جہاں کے الفاظ لڑکھڑانے لگے، ان کا لہجہ کانپنے لگا۔
"بے بے!" علی شاہ نے بلکنے سے پکارا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہ سب دہرا کے خود کو اذیت میں ڈالیں۔
"جب یہ سب سوچتی ہوں تو میری روح کانپ اٹھتی ہے..... میرا رواں رواں تڑپ اٹھتا ہے..... میرے جسم کے ہزاروں ٹکڑے ہو جاتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جسم کا ایک ایک اعضاء کٹ کٹ کے گر رہا ہے۔" وہ پھر چپ ہو گئیں۔
"میں کتنی پاگل تھی اور بے وقوف تھی..... ضوبیا کو خواب میں ہر روز ایسی اجڑی بکھری حالت میں دیکھتی، کبھی خون میں لت پت تو کبھی چیختے چلاتے، روتے تڑپتے..... مگر کبھی یہ نہیں سوچا کہ میری نادانی سے بچی کو ایسی اذیت سے مارا گیا ہے اور اس کا دکھ اس کی تکلیف کم کرنے کے ہم نے تم کو اذیت دی، دکھ دیئے کیونکہ ہم اپنے رب سائیں کی وا..... نیت کو فراموش کر چکے تھے، ہم بھول چکے تھے کہ وہ سب دیکھ رہا ہے، ہر شے سے باخبر ہے۔"
بی بی جان جن کی آنکھیں بھر آئی تھیں یہ سب دیکھ اور سن کر جو اپنے رب کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھیں اس وقت اپنے مولا کریم کے انصاف پر ان کا دل رو پڑا..... وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور زبیدہ جہاں کے قریب آ گئیں۔
"صبر کرو بیٹا! زندگی سے بہت کچھ سیکھتے ہیں، یہ زندگی نہیں اگر بہت کچھ نوازتی ہے تو بہت کچھ لے بھی جاتی ہے۔ یقیناً ضوبیا کے ساتھ جو ہوا بہت غلط ہوا، مگر ہم صبر و حوصلے کا دامن تھام کر اس بچی کے لیے مغفرت کی دعا تو کر سکتے ہیں۔"
"صبر ہی تو نہیں آ رہا بی بی جان!" وہ بری طرح سسک اٹھیں۔ "مگر اس کے علاوہ کیا کر سکتی ہو، غریبوں، مسکینوں، یتیموں کو دیکھو، ان کے درد و غم کو محسوس کرو۔ ہو سکے تو ان کی مدد کرنے کی کوشش کرو تو تمہارے دل کو سکون ملے گا، غلط فہمی کی بنیاد پر اس بچی کے ساتھ بہت سی ناانصافیاں، زیادتیاں ہوئی ہیں تو مداوا کرو، ازالہ کرو، دیکھو اس بچی کی طرف۔" بی بی جان نے صاف گوئی سے کہتے ہوئے سالار شاہ سے بالکل لگی ڈری سہمی ارتش کی طرف اشارہ کیا۔
زبیدہ جہاں نے ارتش کو دیکھا، جس کے چہرے اور آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔
"وہی تو کرنا چاہتی ہوں بی بی جان! میں نے اس معصوم پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ میری زیادتی سے اس بچی کی روح گھائل ہوئی ہے، اس کی شخصیت بکھر کے رہ گئی ہے، آج اگر یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے تو ہماری زیادتی کی وجہ سے، اس کی ذات مجروح ہوئی ہے تو اس کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔" زبیدہ جہاں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہلکے سے ہاتھ رکھا تو وہ مزید سالار شاہ میں سمٹ کر رہ گئی، زبیدہ جہاں نے اگلی ہی کوشش بھی کی تھی ارتش کو خود سے لگانے کی، مگر وہ سالار شاہ کو مزید سختی سے تھام گئی۔
"ارتش بیٹا! ادھر آؤ میرے پاس۔" بی بی جان زبیدہ جہاں کی بے بسی بھی دیکھ رہی تھیں اور ارتش کو بھی، جو کسی بھی طرح زبیدہ جہاں پر یقین کرنے کو راضی نہیں تھی۔
"آؤ ادھر۔" انہوں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا بلکہ اس کے بازو کو پکڑ لیا اور اپنی طرف کیا۔ مگر اس کا ہاتھ

ابھی بھی سالار شاہ کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔
اس نے بہت مشکل سے سالار شاہ پر بھروسہ کرنا سیکھا ہے اور یہ سالار شاہ ہی جانتا تھا یا اس کا رب کہ کیسے وہ ارتش کے اعتماد کو جیتنے میں کامیاب ہوا تھا، سالار شاہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
بی بی جان ارتش کو لے کر صوفے پر آ بیٹھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ارتش سب کے ساتھ بیٹھے باتیں کرے اس کا دماغ فریش ہو۔ سالار شاہ نے زبیدہ جہاں کو تھام لیا تھا۔ دونوں سائیڈ ان کے دونوں بیٹے کھڑے تھے۔
"سب بہتر ہو جائے گا ان شاء اللہ، پریشان نہ ہوں آپ۔" علی شاہ نے سہولت سے سمجھایا۔ وہ بھی ارتش کو سمجھ سکتا تھا، اس کی کیفیت دیکھ چکا تھا۔ اس کو ضوبیا شاہ کا وہ وقت یاد آ گیا جب اس کا گہوارہ حویلی میں رکھا تھا اور ارتش کو بڑی بری طرح سالار شاہ نے کھینچا تھا اس گہوارے کے پاس۔
بازغہ نے ارتش کو دیکھا اور دو تین باتیں بھی کیں مگر وہ صرف ہوں، ہاں کا جواب دیتی۔ مگر انشراح بہت باتونی تھی۔ وہ خوش بھی بہت تھی ارتش کے لیے، وہ جان گئی تھی کہ اب آگے ارتش کے لیے زندگی بہت سہل ہے۔

☆......☆

زبیدہ جہاں کا کچھ دن تک کا قیام بھی "ملک ولا" میں رہا تھا، بہت اچھی مہمان نوازی کی تھی ان لوگوں نے، ان کے حسن سلوک ان کے برتاؤ کی تو وہ گرویدہ ہو گئی تھیں، سب کچھ کھلانے پلانے سے ہی انسان اس کی تعریف نہیں کرتا، اس سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے ہمارا اخلاق، جو سامنے والے کی دل و جان سے نا صرف عزت و قدر کرتا ہے بلکہ تاقیامت بھی یاد رکھتا ہے اور زبیدہ جہاں دل و جان سے رافعہ ملک کی بی بی جان کی عزت کرتی تھیں۔ وہ انشراح سے بھی ملی تھیں۔
اس نے اس دن جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ سب اس نے زبیدہ جہاں کو بتا دیا تھا۔ اس رات وہ انشراح کو خود سے لگا کر بہت روئی تھیں، بہت معافیاں مانگی تھیں..... ایک ذرا سی غلطی نے ہنستے بستے خاندان کو بکھیر دیا تھا۔ انشراح بھی اپنے اماں، ابا کو یاد کر کے بہت روئی تھی مگر جو چلا گیا وہ واپس بھی تو نہیں آ سکتا، ہاں بہت سی تکلیف اور درد مٹ گئے اس کو اب ملک کی صورت میں ایک بے حد چاہنے والا پیار کرنے والا جیون ساتھی مل گیا تھا۔
زبیدہ جہاں نے انشراح کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا تھا، انہوں نے اس کو بہت تسلی دلائی تھی کہ وہ ارتش کو اپنی بہو نہیں اپنی بیٹی جیسا پیار دیں گی۔
وہ رافعہ ملک کے ساتھ کراچی کے مہنگے ترین شاپنگ مال سے سب کے لیے بہت سی شاپنگ کر کے لائی تھیں۔
ارتش اور بازغہ کے لیے اپنی پسند کے ساتھ آج کل جو غرارے چل رہے تھے وہ لے کر آئی تھیں۔
ایک غرارے کی قیمت تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ کام جتنا بھاری تھا اتنا ہی خوب صورت تھا۔ وائٹ گولڈن کا کام ہم رنگ دبکا اور گولڈن ہار ایک دھاگے کی نازک کڑھائی۔
ارتش کا کلر پنک اینڈ پرپل امتزاج کا تھا تو بازغہ کا لائٹ فیروزی اینڈ لائٹ پنک امتزاج کا تھا۔ دونوں کے بالکل ایک جیسے تھے صرف کلر میں فرق تھا۔ اب دونوں کو جو پسند آئے وہ لے لے، بازغہ نے ارتش پر چھوڑ دیا، اس کو جو پسند ہو وہ لے لے۔ مگر ارتش نے کچھ نہیں کہا اس کو یاد نہیں پڑتا تھا کہ اس نے کبھی ایسے کپڑے خواب میں دیکھے بھی ہوں..... ہوں گے حویلی میں جو کپڑے اس نے پہنے وہ تو اس پر بھی شاکر تھی۔ کبھی اس نے حرف شکایت نہیں کی۔ کبھی اپنے رب سے گلہ نہیں کیا۔

☆......☆

حویلی میں بہت بڑے پیمانے پر زبیدہ جہاں نے دعوت رکھی تھی۔ خاندان بھر کے ہر فرد کو مدعو کیا تھا، دوست احباب، رشتے دار، سسرالی رشتے دار یہ خالی دعوت ہی نہیں تھی بلکہ ارتش اور بازغہ کا دعوت ولیمہ اور اپنی پوتی ضوبیا کی خوشی بھی تھی، حویلی کو مکمل دلہن کی طرح سجایا گیا ہر شے چمک دمک رہی تھی ہر چہرہ خوشی سے مسکرا رہا تھا۔

عالم شاہ کی پوتی "ضوبیا شاہ" جسے ہر شخص نے دعا دی تھی، تحائف دیے تھے۔ زبیدہ جہاں کی گود میں ننھی سی گڑیا کو ہر کوئی رشک بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، پیار کر رہا تھا۔

تقریباً سب ہی مہمان آ چکے تھے اور اب وہ لوگ اس حویلی کی بہوؤں کو دیکھنا چاہتے تھے، ان کو اچھے نصیب کی دعا دینا چاہتے تھے، ان سے ملنا چاہتے تھے۔

اس قدر بھاری سوٹ اوپر سے خاندانی گولڈ کا زیور چوڑیاں، مہندی اتنا کچھ اس نے پہلے کب پہنا تھا، اتنا بھاری میک اپ گویا وہ سر کے بالوں سے پیر کے ناخن تک مکمل طور پر بدل چکی تھی بلکہ جب وہ جھجکتی جھجکتی قد آور آئینے کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی تو خود کو ہی پہچان نہیں سکی۔

"بہت حسین لگ رہی ہو۔" سالار شاہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا، اور صاف شفاف شیشے میں اس کا عکس دیکھا۔ "وہ کچھ پریشان بھی تھی مگر کیوں؟"

سالار شاہ نے اس کو دونوں شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا تھا۔ اس کے جھکے چہرے اور جھکی نگاہیں جس پر پیر اونچی لمبی گھنیری پلکوں کی باڑ، سالار شاہ نے بغور یہ چہرہ دیکھا، جو اس کی زندگی بن گیا تھا۔ اس کا عشق اس کا جنون بن گیا تھا، جو اس کی بیوی اس کا پیار ہی نہیں اس کی بیٹی کی ماں بھی تھی تو کیسے وہ نہ چاہے کیسے نہ وہ اس کا دیوانہ ہو۔

سالار شاہ نے اس کا معصوم سا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرا تھا اور پھر اسی چاہت سے اوپر کو اٹھایا تھا۔

"مجھے نہیں بتاؤ گی اپنی پریشانی کی وجہ۔"

"آپ ڈانٹیں گے تو نہیں؟" کتنی معصومیت تھی اس کے چہرے اور آنکھوں میں اس کے لہجے میں، سالار شاہ فدا ہی تو ہو گیا تھا، جب انداز بدلا تو دیکھنے کا انداز تو خود بخود بدل گیا تھا۔

"بالکل بھی نہیں، اس وقت تو قیامت لگ رہی ہو ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔" اس کی دو معنی بات ارتش کی سمجھ سے بالاتر تھی کیونکہ وہ اپنی الجھن سے پریشان تھی۔

"بولو۔"

"مجھ سے اتنے بھاری سوٹ میں چلا نہیں جا رہا۔"

سالار شاہ کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی تھی، وہ تو سمجھا تھا کوئی اور بات ہو گی۔

"مگر...... کیوں اتنا خوب صورت تو لگ رہا ہے اور تم پر تو اور زیادہ کھل رہا ہے۔" سالار شاہ نے چاہت سے کہتے ہوئے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا، سالار شاہ کے اس طرح دیکھنے پر وہ حیا سے خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ پہلے کب اس نے یہ پیار لٹاتی نظریں دیکھی تھیں۔

"اچھا اس کا ایک حل ہے میرے پاس، اگر تم مانو تو۔" سالار شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے اور اپنی پشت پر باندھ دیے۔

"وہ کیا؟" ارتش نے سیاہ نین اوپر اٹھائے۔

"وہ یہ کہ میں تمہیں اپنی بانہوں میں اٹھا کے لے چلوں۔"

"اف۔" ارتش کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ نے اپنا گھر بنا لیا۔ وہ جو نگاہیں اوپر کو اٹھائے سالار شاہ کو دیکھ رہی تھی وہ نگاہ خود بخود سرخ عارض پر جھکتی چلی گئی۔ اس کی اس ادا نے سالار شاہ کو مزید اس کا دیوانہ بنا دیا۔ وہ مزید آگے بڑھا اتنا کہ اب انچ بھر کا فاصلہ بھی نزدیکی میں سمٹ چکا تھا، اس بار ان نگاہوں میں اس چہرے پر ڈر خوف کی وجہ سے ارتش کا یوں سالار شاہ کی بانہوں کے حصار میں سمٹنا نہیں تھا بلکہ حیا کے ہر ہر رنگ اس کے وجود سے ظاہر ہو رہے تھے۔

وہ مکمل تیار ہو چکی تھی بس اس کا وہ بھاری دوپٹا سیٹ ہو کر نہیں دے رہا تھا، حالانکہ ماہر بیوٹیشن بہت اچھے سے سیٹ کر گئی تھی مگر اس کو پسند نہیں آیا تو اس نے اتار دیا اور اب دس منٹ سے وہ اپنے اس بھاری بھرکم پیس کو لے کر دوپٹے سے الجھ رہی تھی اور اس کی وجہ بھی کوئی چھوٹی یا عام سی نہیں، بہت بڑی اور خاص وجہ تھی۔

علی شاہ جو بیڈ پر کوئی آدھے گھنٹے سے اس کی کارروائی دیکھ بھی رہا تھا اور اپنے موبائل میں بھی لگا ہوا تھا، مگر بازغہ کو محسوس ہونے نہیں دیا کہ اس کے دھیان کے سارے دھاگے صرف ایک اس وجود سے الجھے ہوئے ہیں، اس کے چہرے کی بیزاری اور بے چینی وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا مگر صرف اس کے پکارنے کا انتظار کر رہا تھا، اس واقعے کے بعد علی شاہ نے بازغہ کو تنگ کرنا یا وہ اس واقعے سے پہلے تھا سب دیا نہیں رہا تھا۔ کمرے کے باہر وہ اس سے ہلکی پھلکی بات ضرور کر لیا کرتا تھا مگر کمرے کے اندر وہی سرد جنگ دونوں کے درمیان تھی، مگر علی شاہ نے بھی ٹھان لیا تھا کہ اب کی بار بازغہ کو قدم بڑھانے ہوں گے خود اس کو پہل کرنا ہو گا، حالانکہ ان سبز کانچ میں ایک دلفریب سا تبسم گھرا ہوا تھا، جس کو وہ فی الحال چھپا گیا تھا۔

یہاں بازغہ کو الجھن اور بے چینی اس بات کی تھی کہ علی شاہ جو کتنی دیر سے یہاں بیڈ پر بیٹھا ہے وہ کیوں اس کی طرف نہیں دیکھ رہا کیوں متوجہ نہیں ہو رہا جب کہ اس بیڈ روم کی خاموشی میں بازغہ کی ہم رنگ چوڑیاں شور کر رہی تھیں تو کبھی اس کے پیروں کی پائل کی جھنکار چیخ چیخ کے اس کو بلا رہی تھی۔ ٹھیک ہے اس سے غلطی ہو گی وہ شرمندہ ہے، اب کیا جان لے گا۔ علی شاہ کو ناراض کرنے کا احساس شدت سے ہوا تھا سب مہمان تقریباً آ چکے تھے اور وہ مختصر سا بھی اب تک اپنے دوپٹے میں ہی الجھی ہوئی ہیں۔

بازغہ کے ہاتھوں سے دوپٹا گر گیا جس کو اٹھانے کے لیے وہ جھکی اس سے پہلے ہی علی شاہ نے اٹھا لیا اور نہایت گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد آگے بڑھا اور اس کے شانے پر ڈال کر بیک سائیڈ سے پھیلا کے اس کی مرمریں نازک کلائی تھامی اور ڈریسنگ ٹیبل سے ایک سیفٹی پن لے کر اس کی کلائی پر اٹکا دیا اور خود پیچھے ہو کر اس کو دیکھنے لگا۔

"یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں تھا۔ تم بھی کر سکتی تھیں مگر کیوں نہیں کر پا رہی تھیں۔ اس کا کیا جواز ہے۔ وہ بھی بتا دو۔"

بازغہ جو خود علی شاہ کے سرد رویے سے تھک گئی تھی اب اس کی بانہوں کے حصار میں آ کر آرام کرنا چاہتی تھی۔ اپنی زندگی کی نئی شروعات کرنا چاہتی تھی۔ اس کو آگے بڑھنا ہو گا اس کو جھکنا ہو گا۔ وہ علی شاہ سے دور نہیں رہ سکتی اور یہ اس نے ان چند دنوں میں ہی جان لیا تھا۔

علی شاہ کا بس یہ کہنا تھا اور وہ بے ساختہ اس کے سینے سے لگ گئی تھی، علی شاہ جس کے چہرے پر دلفریب سا ایک تبسم

ٹھہرا ہوا تھا۔ بازغہ کے اس طرح سینے سے لگ کر سسکنا اس کی جان ہی تو لے گیا۔
"آئی ایم سوری، میں نے غلطی کی ہے، پلیز مجھے معاف کردیں۔" وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے، اس سے معافی مانگے ایسا تو علی شاہ نے کبھی نہیں چاہا تھا۔
بازغہ اس کا پیار ہی نہیں اس کا عشق اس کا جنون ہے، وہ بھلا کیسے اپنے پیار کو شرمندہ ہوتے دیکھ سکتا ہے۔
بازغہ کی ہچکیوں کی زد میں وجود پر علی شاہ نے اپنی محبت و چاہت کا حصار تنگ کر دیا تھا۔
"پلیز علی! مجھے معاف......" بازغہ اس کے سینے سے سر اٹھا کے اس کو دیکھنے لگی تھی۔
"شش۔" علی شاہ نے جلدی سے اس کے سرخ ہونٹوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی۔ "میری محبت کی یوں توہین مت کرو معافی مانگ کر، جو ہوا وہ گزر گیا تھا جس کو یاد کر کے ہم دونوں کو تکلیف ہوئی، اور مجھے تم سے زیادہ ہوئی جب تم اس طرح اشک بہاؤ گی۔" علی شاہ نے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھا، بازغہ نے نگاہیں جھکالیں، تبھی دیر تک وہ بازغہ کے چہرے پر پھیلتے قوس قزح کے رنگوں کو تکتا رہا۔
"ویسے جان لینے کے آج تمہارے پاس سارے ہتھیار ہیں۔" علی شاہ کا اشارہ اس کے سجے سنورے روپ کی طرف تھا۔
"بس ایک چیز کی کمی ہے۔" علی شاہ نے اپنی واسکٹ سے ایک سرخ مخملی ویلوٹ کیس نکالا اور اس کو کھول کر اس کے آگے کر دیا۔
بازغہ نے دیکھا، یہ وہی بریسلٹ تھا جو اس نے نہایت بے دردی سے پھینکا تھا اور شاید ٹوٹ بھی گیا تھا۔
"اجازت دو گی اس کو پہنانے کی۔" اس نے اجازت طلب نظروں سے بازغہ کی کاجل سے بھری آنکھوں میں جھانکا۔ بازغہ کی بادامی آنکھوں میں وہ وقت عکس بن کے جھلملانے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ منجمد ہوتی علی شاہ نے اپنی چوڑی ہتھیلی کی پشت اس کے عارض پر پھیری۔
"میں آج بھی زبردستی کا قائل نہیں ہوں تمہیں تمہاری رضامندی سے اپنانا چاہتا ہوں۔"
"اور اگر میری رضامندی آپ کی خوشی میں خوش رہنے کی ہے تو...." بہت خوب صورت اقرار کیا تھا بازغہ نے، علی شاہ اندر تک پرسکون ہو گیا۔
"تو پھر میں اس لمحے کے ختم ہونے کا شدت سے انتظار کروں گا۔"
"تم نے رضامندی دے دی، میری پناہوں میں آنے کی اجازت دے دی تو پھر ہر جسارت، ہر گستاخی کے لیے خود کو تیار رکھنا۔" پرشوق لہجہ سرگوشی میں جہاں بھر کا پیار، بازغہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔
اس کے چہرے پر حیا کا ہر رنگ چمک رہا تھا۔
علی شاہ نے اس کی کلائی تھامی اور وہ بریسلٹ اس کی کلائی میں بڑے پیار سے باندھ دیا اور وہیں اپنے عشق کی ایک مہر ثبت کر دی۔ "یاد رکھنا تم سراپا محبت اور میں تمہاری محبت کا پیاسا...... آج ہر دیوار توڑنی بھی پڑے تو تم تک پہنچ پاؤں گا۔"
بازغہ جھجکتے ہوئے مسکرا دی اور مسکراتے ہوئے ایک بار پھر خود کو اس کے حوالے کر دیا۔ علی شاہ نے اس کی پیشانی پر اپنی چاہت کی ایک تحریر رقم کر دی۔ وہ سرشار ہو گیا آج اپنی محبت کے آگے۔ آج اس نے بازغہ کو جیت لیا۔ اس کا پیار جیت لیا تھا۔
"اور بتاؤ یہ رائب تم کو تنگ تو نہیں کرتا۔" انابیہ نے انشراح سے پوچھا۔

دونوں کافی دن بعد ملی تھیں تو خوب باتیں ہو رہی تھیں۔
"انابیہ آپی! رائب بہت اچھے ہیں بس مجھے ان کی ایک ہی چیز سے شکایت ہے۔" انشراح وہی اپنا پرانا دکھڑا لے کر بیٹھ گئی، وہ آج بھی بہت بے وقوف سی تھی۔
"اچھا مجھے بتاؤ میں ابھی اس رائب کے بچے کے کان کھینچتی ہوں۔" اس نے بہت سنجیدہ انداز میں کہا تھا مگر وہ جانتی بھی سمجھ سکتی تھی اس کی بے بسی۔
"یہی کہ یہ مجھے رات بھر سونے نہیں دیتے۔" بے ساختہ شکوہ زبان پر آ گیا، اس بار وہ اپنی بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ روک نہیں سکی۔
"اور سونے کیوں نہیں دیتا۔" تجسس برقرار تھا۔
"میں بتاؤں یہ تم کو کیوں سونے نہیں دیتا۔"
پیچھے سے رائب ملک اور داہم خان نے یکدم سے انٹری ماری۔
"دنیا بدل جائے گی مگر تمہاری جاسوسی والی عادت نہیں بدلے گی۔" رائب ملک نے ایک ہلکی سی چپت اس کے سر پر ماری جب کہ داہم خان مسکراہٹ لیے اس کو گھورے جا رہا تھا۔
"اور یہ ہی میری بیوی کی بے وقوفی والی حرکتیں۔" رائب ملک نے انشراح کو شکایتی نظروں سے دیکھا جس پر وہ منہ بنا کر رخ پھیر گئی اور اس حرکت پر انابیہ سے بھی نہیں رہ گیا، وہ زور سے قہقہہ لگا کر ہنسی۔
"کتنی بار کہا ہے کہ یوں محبت جتایا کرو مگر مجال ہے جو کان پر جوں بھی رینگی ہو۔" داہم خان نے جھڑکنے کی کوشش تو پوری کی تھی مگر انابیہ کے آگے زور نہیں چلا۔
"رہنے دے داہم کیوں خون جلا رہا ہے یہ صنف بدلنے والی نہیں ہے ہر گل ایک ہی ہے ان کی۔" رائب ملک نے لقمہ دے کر جواب دیا۔
"تو جب جانتے ہو یہ بدلنے والی ہیں اور نہ سدھرنے والی تو کیوں ناکام کوشش کرتے ہو۔"
رائب ملک اپنی مسکراہٹ روک نہیں پایا، وہ جانتا تھا انابیہ کبھی نہیں بدلے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔
"اور دوسری بات یہ بتاؤ کہ تم دونوں کیا ان سے سن رہے تھے شرم تو آتی نہیں دو لڑکیاں آپس میں پرائیوٹ باتیں کر رہی تھیں اور تم دونوں محلے کی کسی بڑی اماں اور چغل خور عورت کی طرح ہماری باتیں سن رہے تھے۔" اس انقلاب پر تو داہم خان صحیح معنوں میں جھلا کے رہ گیا۔
"کبھی تو عقلمندوں والی بات کر لیا کرو۔" داہم خان نے جل بھن کر سلگتے انداز میں کہا تھا اس پر رائب ملک کے ساتھ ساتھ انابیہ بھی زور سے ہنس دی۔
"قسم سے انابیہ! داہم کی برداشت کو داد دینے کو دل کرتا ہے جو تم جیسی چیز کو برداشت کرتا ہے۔" رائب ملک نے ایک اور پٹاخہ چھوڑا تھا۔ جس پر داہم خان نے نہایت گھور کے پہلے رائب ملک کو دیکھا پھر انابیہ کو، اس کے گھورنے پر انابیہ کا ایک بار پھر بلند قہقہہ ابھرا تھا۔
"خود تو مرو ساتھ مجھے بھی لے کر مرنا۔" رائب ملک، داہم خان کی گھوریاں بھی دیکھ رہا تھا اور انابیہ کی ہنسی بھی جو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، وہ جانتا تھا کہ داہم خان کو عورتوں کا یوں قہقہہ لگانا سخت ناپسند تھا۔
"اتنا ٹائم ہو گیا مگر داہم خان کی محبت کا بھی تم پر کوئی اثر نہیں ہوا، مجال ہے جو تمہاری عادتوں اور حرکتوں میں معمولی سا بھی فرق آیا ہو۔"

"ویسے فرینڈز عادتوں اور حرکتوں میں برکت تو ضرور ہوسکتی ہے مگر کمی نہیں۔" شریر لہجے میں کہتے ہوئے داہم خان کو دیکھنے لگی، مگر جلدی اس کو اپنی ہنسی کا گلا گھونٹنا پڑا، کیونکہ داہم خان کا چہرہ دیکھ کر صاف ظاہر تھا وہ اس کو سالم ہی نگل جائے گا۔

"ارے باپ رے میں تو اب بھاگوں ورنہ تمہارا دوست یہیں میرا قتل کردے گا۔" ڈرنے کی مکمل ایکٹنگ کی گئی۔

"یہ نیک کام اس کو بہت پہلے ہی کرنا چاہیے تھا۔" رائب ملک نے کہا۔

"سب سمجھتی ہوں تمہارے پیٹ کی جو گڑبڑ ہے، انشراح گھر آجا پھر ہم دونوں خوب باتیں کریں گے کمرہ بند کر کے۔" اس کی باتوں سے محظوظ ہوتی انشراح سے کہا۔

"اور تمہیں لگتا ہے میں تمہارے پاس اپنی معصوم بیوی کو چھوڑ دوں گا۔" رائب ملک نے جھٹ سے جواب دیا۔

"یہ تو وقت بتائے گا ابھی تو میں بی بی جان کے پاس دوڑ لگا رہی ہوں۔"

داہم خان کا پارہ اس سے پہلے مزید ہائی ہوتا وہ وہاں سے رفو چکر ہونے لگی مگر داہم خان نے تیزی سے اس کا بازو پکڑ کے کھینچا وہ سیدھا اس چٹان جیسے سینے سے جا لگی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تم کو وہاں جانے کی، وہاں زبیدہ آنٹی بھی بیٹھی ہیں اور رافعہ آنٹی بھی سمجھیں تم اپنی اوٹ پٹانگ باتوں سے وہاں بھی باز نہیں آؤ گی۔"

"ہائے مر جاؤں، کبھی بیڈروم میں بھی یہ شوخیاں کرلیا کرو۔" آنایہ کا اشارہ داہم خان کی اس جسارت کی طرف تھا جو بالکل بے ساختہ ہوئی تھی۔

داہم خان نے جلدی سے اس کو خود سے الگ کیا، اور نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر تبسم سا بکھر گیا۔

"تم بیڈروم میں چلو وہیں شامت آئے گی میرے ہاتھوں، مگر ابھی میرے ساتھ بازغہ اور علی شاہ سے ملنے چلو وہ سامنے سے آرہے ہیں، اور خبردار جو کوئی بھی فضول گوئی ان کے سامنے کی تو۔" اس کی کلائی تھامے وہ علی شاہ اور بازغہ کی جانب بڑھنے لگا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد رائب ملک نے روٹھی روٹھی سی انشراح کو دیکھا۔ جس کے چہرے اور لبوں پر کچھ دیر پہلے مسکراہٹ تھی مگر اب وہاں خفگی تھی۔

"ناراض ہو گئی۔" اس نے تھوڑا پاس آکر دھیمے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"بالکل۔" انشراح نے جھٹکے سے گردن اثبات میں ہلائی۔ رائب ملک نے دلچسپ نظروں سے اس کی گلابی آنکھیں دیکھیں جن میں پیار کے ساتھ ساتھ خفگی بھی تھی۔

"جان رائب! آپ کو منانے کے میرے پاس چھ ہزار چھ سو چھتیس طریقے ہیں وہ بھی بیڈروم میں، مگر یہاں کچھ تو رحم کرو۔" اس کی بے باک گفتگو پر انشراح کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔ رائب ملک آج بھی اس کا ویسا ہی دیوانہ تھا جیسے روز اول تھا اور اس کی دیوانگی میں ہر روز اضافہ ہی ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ کبھی بہت الجھ جاتی بھی منہ پھلا کر بیٹھ جاتی۔

"آپ بہت بدتمیز ہیں۔" اس نے مسکراتی آنکھوں سے رائب ملک کو دیکھا، جس کا مطلب وہ مان گئی تھی، رائب ملک مطمئن ہو گیا۔

"ماشاءاللہ رائب! وہ دیکھیں ارتش کتنی خوب صورت لگ رہی ہے۔" انشراح خوشی سے چہکی تھی۔

"ہاں ماشاءاللہ!" رائب ملک نے اس طرف دیکھا جہاں سالار شاہ اور ارتش چلے آرہے تھے۔

"آئیں چلیں نا ارتش سے ملتے۔" اس نے رائب ملک کا ہاتھ پکڑا۔

"ارتش۔" انشراح تو ڈائریکٹ جا کر اس کے گلے لگ گئی تھی، ارتش جو پہلے ہی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پا رہی تھی اور اس سے پہلے وہ لڑکھڑا کر گرتی اور ساتھ انشراح بھی ساتھ گرتی مگر سالار شاہ نے تیزی سے ارتش کی نازک سی کمر پر اپنے بازو کا حصار کھینچ کر دونوں کو ہی گرنے سے بچا لیا۔ انشراح خود بھی جلدی سے ارتش سے الگ ہوئی تھی۔

"تم ٹھیک ہو۔" سالار شاہ نے انشراح کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔" اس کو تھوڑی سی شرمندگی ہوئی۔

"گڈ۔" سالار شاہ نے مسکراتے ہوئے اس کو دیکھا اور پھر رائب ملک سے مصافحہ کیا۔

"دراصل میں اس سے اتنا بھاری سوٹ سنبھل نہیں رہا ہے، میں اسی لیے اس کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتا۔" رائب ملک، سالار شاہ کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ دل و دماغ میں جو معمولی سا شک و شبہ تھا وہ بھی اس وقت دور ہو گیا۔ وہ ارتش کی جانب سے مطمئن اور پرسکون ہو گیا۔

جس لڑکی نے اپنی چھوٹی سی عمر میں اتنے دکھ تکلیف اور غم اٹھائے تھے اس سے کہیں زیادہ اب زندگی اس کو خوشیاں اور آسودگی دے گی۔

زبیدہ جہاں اپنی دونوں بہوؤں کو اپنے ساتھ لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ بہت خوش تھیں۔ ان کی گود میں ضوبیا تھی۔ آج ان کی فیملی مکمل ہو گئی تھی۔ فیملی کے ہر ممبر کا فوٹو سیشن ہو رہا تھا۔

رائب ملک کو داہم خان اور آنایہ کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے، اس نے ادھر ادھر متلاشی نگاہیں دوڑائیں۔ ایک سائیڈ پر وہ دونوں دکھائی دیے۔ آنایہ اپنے دونوں کان پکڑے داہم خان کو منانے کی کوشش کر رہی تھی اور داہم خان جان کر اس کو ستا رہا تھا، جو کہ وہ بھی سمجھ چکی تھی۔

"دیکھو اگر نہیں مانے تو پھر مجھ سے شکایت مت کرنا۔" داہم خان اس کی شوخی سے کہتے جملے کو سمجھ گیا تھا اور اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا، پارٹی میں تو ویسے ہی اس نے جھنڈے گاڑے ہوئے تھے۔

"سخت بری لگ رہی ہو۔" داہم خان نے ہنستے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ کانوں سے ہٹائے تھے، جس پر وہ اور کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

رائب ملک بھی ہلکے سے مسکرا دیا اور پھر چلتا ہوا انشراح کے برابر میں خالی جگہ پر آ بیٹھا۔

وہاں سب اپنی اپنی باتوں میں مگن تھے۔ ہر چہرہ خوش تھا اور مسکرا رہا تھا۔ رائب ملک نے انشراح کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے اپنے موبائل میں اسی کی پکس دکھانے لگا جو اس نے الگ الگ پوز میں لی تھیں۔

انشراح بہت شوق سے وہ تصویریں دیکھ رہی تھی، انشراح کی اس خوشی نے رائب ملک کو ہمیشہ ہی مطمئن کیا تھا، وہ اب بلا جھجک اس سے ہر بات کہہ دیتی تھی۔ ہر دکھ درد ہر خوشی شیئر کرتی تھی اور رائب ملک یہی تو چاہتا تھا کہ وہ بلا جھجک اس سے سب کچھ کہہ دے، اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی، وہ کامیاب ٹھہرا تھا۔ ہر قدم ہر راہ میں انشراح اس کے ہمراہ تھی۔ رائب ملک کو لگا کائنات کا سارا پیار آباد ہے وہ انشراح کا خوشی سے چمکتا دمکتا چہرہ تکنے لگا اور پھر بالکل بے ساختہ بے خودی میں اس کے شانے پر اپنی باہوں کا حصار کھینچ دیا۔

☆☆

شام کے سائے گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ نیلا آسمان آہستہ آہستہ نیلے رنگ میں بدلا اور تاریکی چھانے لگی۔ وہ چھت کی آخری سیڑھی پر بیٹھی دیوار سے ٹیک لگائے اس آخری پرندے کو دیکھنے لگی۔ جو دور کسی درخت کی کھوہ میں گم ہوا تھا۔

"شاید اس کا خاندان اس کے انتظار میں ہوگا۔"

اس نے ایک آہ بھری۔

"کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ جن کا انتظار کیا جائے۔" اس کے لب دھیمے سے وا ہوئے تھے۔

"اور انتظار کرنے والوں کی قسمت؟"

اندر کوئی زور سے چیخا تھا۔ وہ ڈر کے ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ اندر کا شور کوئی سن تو نہیں رہا لیکن آج کے تیز رفتار دور میں کسے فرصت اندر تک جھانک کے دل کا احوال جانے گی۔ بس جو سامنے دکھتا ہے ہم اسے ہی حق مان لیتے ہیں۔

اس کا نام تو [illegible] تھا لیکن سوتی کالی آنکھوں کی نسبت دادی نے نیناں کہہ کر بلانا شروع کیا۔ اس کے بعد وہ سب کے لیے بھی نیناں ہی رہی۔ اصل نام کہیں گم ہو گیا تھا ہادی کی طرح۔ وہ بھی دنیا کے جھمیلوں میں ایسا گم ہوا کہ دادی اور وہ دونوں ہم ہی آپس میں اس کی کوئی بات کیا کرتی تھیں۔ دل کا کیا ہے وہ تو اسی کی مالا جپتا ہے جسے چاہتا ہے۔ کہانی سادہ سی تھی۔ دادی کے زیور چرا کر نیناں نے ہی اسے دیے تھے تاکہ دنیا کی ٹاپ کراچی یونیورسٹی میں پڑھنے کا خواب پورا کر سکے۔ یہ زیور دادی نے اس کے جہیز کے لیے ہی تو رکھے تھے اس لیے اپنی اس چوری پر شرمندگی بھی نہ تھی۔ وہ ہمارے خواب پورے کرنے گیا ہے۔ خوابوں کی تعبیر قربانی مانگتی ہے میں ہر قربانی کے لیے تیار ہوں۔

پھر قربانیوں کا نیا دور شروع ہوا۔ اپنے سکون کو قربان کر کے مشقت کرتے ہاتھوں نے نئی جوان ہوتی امنگوں کا گلا خود گھونٹ دیا۔ اسے انتظار کرنا تھا۔ اس وقت کا جب ہادی لوٹتا۔ پڑھائی تو کب کی ختم ہو چکی تھی۔ اب روزگار کے چکر کس منہ سے یہاں کا رخ کرتا۔ نیناں کے خواب بھی تو تھے۔ اس کے تمام سپنوں کی تعبیر اور خوشیاں لوٹانی۔ مسکراہٹ کے ساتھ اسے واپس آنا تھا۔ پھر یہ انتظار طویل ہوتا گیا۔ اس کے آدھے سے زیادہ بالوں میں چاندی اتر آئی تھی وہ اہتمام سے مہندی لگا کر چھپایا کرتی۔ جس صبح آئینہ دیکھتے آنکھوں کے گرد نمودار ہوتی ہلکی جھری دیکھ کر آنکھوں نے اپنا ضبط کھویا تھا۔ اب اس کی خواہشات اندر ہی اندر سر پٹختی تھیں۔ آخر انہیں وہ باہر کا راستہ دکھاتی بھی تو کیسے؟ وہ محبت میں راستہ بدلنے کی قائل نہیں تھی پر اپنے اندر اٹھتے طوفان کا کہاں رخ موڑے۔ ہر راستہ ہی ہادی کی گلی تک جاتا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب کو پیغام بھیجو میرا بلڈ چیک کر جائے۔ جس دن اندر اٹھا طوفان ہوا تیز ہو جاتا ہے۔" دادی اس کی کھوج میں اونچا بولتی ہانپتی چھت پر چلی آئیں اور اسے یوں گم صم خلا میں نظریں جمائے دیکھ کر ان کا دل کٹ گیا۔

"نکاح میں نہ ہوتی تو آج باقی بچیوں کی طرح اپنے گھر بار کی ہوتی۔"

وہ یہ بات صرف سوچ ہی سکتی تھیں۔ ہادی کے خوابوں نے ان سب کو تپتے صحرا میں لا کھڑا کیا تھا۔

"تو اٹھا کر لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" وہ جلا کے بولی اور دھپ دھپ سیڑھیاں اتر کے چلی گئی۔

اسے اعتراض اٹھنے پر نہیں بلکہ آنکھوں سے باتیں کرتے ڈاکٹر صاحب پر تھا۔ ا کی نظروں کا پیغام وہ اچھے سے جانتی تھی لیکن ا کو وصول کرنے کی قیمت وہ نہیں چکا پائے گی۔ یہ بات بھی اسے معلوم تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کال ملانے لگی۔ اب اسے خود کو بڑی آنکھوں والے مسیحا کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنا تھا۔

بلڈ پریشر تو زیادہ تیز نہیں تھا لیکن دادی کو اپنی